ہفت روزہ
پربھات
نواب شاہ
۱۰. ۲۱ جولائی ۱۹۷۸ء

بھٹو کی تین تاریخی اور غیر مطبوعہ دستاویز

... اِک تماشہ بن گئی ہے

قیمت، چار روپے

دشمن کا پروپیگنڈہ ہمارے حوصلے پست نہیں کر سکتا

پشاور یونیورسٹی ہمیشہ سے ترقی پسند طلبہ کا مضبوط گڑھ رہی ہے یہاں پر قاضی محمد انور سے لے کر افراسیاب خٹک تک ترقی پسند طلبہ نے ایک مضبوط حصار بنائے رکھا اور آج پھر جب اس یونیورسٹی کے طلبہ کو اپنی پسند کا موقعہ ملا تو انہوں نے ترقی پسند قیادت کو بھاری اکثریت سے جتایا اور پشاور یونیورسٹی کے در و دیوار مصلحت یا جدوجہد جدوجہد جدوجہد کے پرتنگا ف نعروں سے گونج اٹھے طالب علموں کا یہ فیصلہ وقتی نہ تھا بلکہ اس وقت سارے پاکستان کے طالب علم ترقی پسند قیادت کو سینے سے لگا رہے ہیں کراچی یونیورسٹی کی مثال آپ کے سامنے ہے جہاں جمعیت کو ایسی عبرتناک شکست ہوئی کہ تمام رجعت پسند حلقوں کو جن کے رسالوں کے اور اخباروں کے اداریے نیچ نیچ کے نعرے لگا رہے تھے غضب ہو گئے اور انہیں اتنی توفیق بھی نہ ہوئی کہ وہ اس شکست کو بہادری سے قبول کر لیتے یہ تو بہر حال ان کی اسلامی صحافت ہے اور ہمیں اس پر کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ آج سارے پاکستان کے عوام ان کے حربوں اور چالوں کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں

پشاور یونیورسٹی کے الیکشن سے پہلے مجھے گرفتار کر لیا گیا اور ہری پور سنٹرل جیل بھجوا دیا گیا۔ ملٹری کورٹ نے سزا سنا کر اپنا فرض ادا کیا اور ناکردہ گناہ کے جرم میں قید اور تشدد بھاری سزا دی لیکن اس کے باوجود ان ناروا ہتھکنڈوں سے ہم مرعوب نہیں ہوئے اور پشاور یونیورسٹی میں ہمارے ساتھی رجعت پرستوں کو للکارتے رہے اور پھر ایوانوں میں اس وقت کھلبلی مچ گئی جب پشاور یونیورسٹی کے ترقی پسند طلبہ جیت گئے اور یونیورسٹی کے در و دیوار جئے بھٹو کے نعروں سے گونج اٹھے

میں آپ کے منیم مجلہ کی حیثیت سے سارے پاکستان کے رجعت پرستوں کو یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ یاد رکھو تمہارے ہتھیار اور تمہارے پروپیگنڈے ہمارے حوصلوں سے بلند نہیں ہو سکتے جاؤ اور اب ہتھیار ایجاد کرو جو ہمارے حوصلوں کو شکست دے سکے۔

سید قمر عباس
سابق صدر پی ایس ایف صوبہ سرحد

ترقی پسندوں کا اتحاد

میں اپنی اور اپنے تمام ترقی پسند نوجوان طلباء کی جانب سے کراچی کے تمام ترقی پسند ساتھیوں اور ان کے منتخب نمائندوں کو ان کی کامیابی پر مبارکباد پیش کرتا ہوں مجھے اُمید ہے کہ موجودہ وقت میں جب کہ ترقی پسند نوجوانوں اور ان کے ساتھیوں پر نہایت وحشیانہ قسم کے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں نوجوان ترقی پسند طلبہ ایک نئے عزم اور ولولہ کے ساتھ اپنی سوچ کو نہ صرف آگے بڑھائیں گے بلکہ اس بات کے لیے بھی تگ و دو کریں گے کہ بالائی سطح پر بکھری ہوئی لیفٹ کی قیادت کو بھی ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے ان کو ان کی ضروری ذمہ داریوں سے آگاہ کریں گے اس وقت کی سیاسی ابتری معاشی بدحالی، ظلم، کوڑے، قتل پھانسی سب کچھ آپ کے سامنے ہے اگر لیفٹ کی قیادت نے اتحاد کو نظر انداز کر کے اپنی اپنی دکان سیاست چمکائی تو تاریخی حقائق اور تاریخی قوتیں انہیں کبھی بھی معاف نہیں کریں گی۔ میں امید کروں گا کہ تمام ترقی پسند قوتیں اپنے ننھے ننھے اختلافات بھول بھلا کر ایک ہی پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو کر اپنی تاریخی ذمہ داریوں کو پورا کریں گی اس حقیقت میں ہماری بقا اور عوام سے وفاداری کا راز پنہاں ہے۔

سلیم حیدرانی کالج آف ایجوکیشن ملتان

صیہونیت کی سازشیں

الفتح کے ۲۰ اپریل تا ۵ مئی کے شمارے میں ایک خاتون نے نہایت ہی اہم نکتہ اٹھایا ہے جنگ رمضان ۷۳ء کے دوران ہی یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ تمام ایسی کمپنیوں کی فہرست فراہم کی جائے جن میں صیہونی سرمایہ لگا ہوا ہے تاکہ مسلم ممالک میں صیہونی فرموں کی مصنوعات کا مقاطعہ کیا جائے مگر تاحال اس سلسلے میں کوئی ٹھوس کارروائی منظر عام پر نہیں لائی گئی۔ وقت آ گیا ہے کہ اس معاملے میں فوری توجہ سے عملی اقدام کیا جائے صیہونی سازشیں اور ریشہ دوانیاں تیسری دنیا میں شد و مد سے جاری ہیں۔ صیہونی دولت کے پجاری ہیں بے پایاں دولت جب پچھلی صدی میں بنیکاری میں لگائی گئی تو صنعتی ممالک ان کے خون آشام چنگل میں پھنس گئے یورپ سے انہیں نکالا گیا تو امریکہ پر یہ زر پرست اس طرح مسلط ہو گئے کہ تجارت، صنعت و حرفت، سیاست ابلاغ عامہ کوئی ایسا زندگی کا شعبہ نہیں جو ان کے دست برد سے بچا رہا ہو۔ انتخابات میں کامیابی عوام کی نہیں ان کے اربوں ڈالروں کی ہوتی ہے پھر جس صدر کو چاہا قتل کروا دیا، معزول کروا دیا یا ہاتھ پاؤں باندھ کر کام چلانے دیا امریکی حکومت صیہونی رضا و منشا کی پابند ہے یہی تو اسرائیل کی توسیع پسندی اور سرپرستی کا راز ہے فری میسن تنظیم روٹری کلب اور رسوائے زمانہ سی آئی اے وہ مختلف ادارے ہیں جن سے صیہونی اقوام عالم میں عموماً اور تیسری دنیا میں خصوصاً خلفشار اور انتشار پیدا کرتے رہے ہیں بڑی بڑی کلیدی آسامیوں پر فائز افسروں کو ہوا و ہوس کی رنگا رنگ ترغیبات سے پھانس لیا جاتا ہے اور پھر ان کو اپنی تخریب کاری کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں وسیع پیمانے پر رشوت، اسمگلنگ بردہ فروشی کا کاروبار ہو رہا ہے۔ ان وطن دشمن عناصر کی اعلیٰ ترین سطح پر ملک کے اندر سرپرستی کی جاتی ہے۔ ہر ملک میں ما فیا طرز کا جرائم پیشہ عنصر موجود ہے۔ جو بیرونی سرمایہ اور ماہرین کی مدد سے سیاسی قتل بھی کرواتا ہے۔ "ارج" وغیرہ جیسی تحریکیں بھی چلواتا ہے فرقہ وارانہ فسادات اور لسانی جھگڑے بھی کرواتا ہے۔

چنانچہ اگر ترقی پذیر ممالک کے عوام صیہونی کارخانوں کے مال کا مکمل مقاطعہ کر دیں تو یہ ایک ایسا کاری ہتھیار ہو گا جس سے سانپ بھی بے موت مر جائے گا اور اپنی لاٹھی بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جائے گی۔

فرخ پیرزادہ راولپنڈی

کوسٹ گارڈ اور عوام

۲۲ جون ۱۹۷۸ء کو سرحدی گاؤں منڈ میں ایک معمولی سی بات پر کوسٹ گارڈز کے سپاہیوں نے ایک معمولی مزدور کو سر عام مارا اس کے بعد کوسٹ گارڈ والوں نے دہشت پھیلانا اپنا معمول بنا لیا ہے مقامی انتظامیہ بالکل بے بس ہے عوام نے جو درخواستیں کوسٹ گارڈز کے رویے کے خلاف دیں ان پر کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی ہے صرف وعدوں پر ٹہلایا جا رہا ہے۔ منڈ ایران کی سرحد پر واقع ہے اور یہاں کے لوگوں کی رشتہ داریاں ایران میں یعنی ایرانی بلوچستان میں صدیوں سے قائم ہیں جن کو موجودہ حد بندیاں بھی ختم نہیں کر سکی ہیں اس لیے پاکستان اور ایران کی حکومت میں ایک معاہدہ عمل آیا تھا جس کی رُو سے بلوچستان کے لوگ اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے باقاعدہ ویزے کے محتاج نہیں ہیں اور اجازت نامہ (راہداری) لیکر اپنے عزیزوں سے ملنے آتے جاتے رہتے ہیں یہ لوگ اپنی گاڑیاں استعمال کرتے ہیں آجکل کوسٹ گارڈز نے ان لوگوں کو بھی تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔

(ایک قاری، منڈ)

انتظامیہ کی علم دشمنی

مالاکنڈ ایجنسی کی انتظامیہ علم دشمنی کا مظاہرہ کر رہی ہے اس کے نزدیک سائنسی علوم کی کتابیں پڑھنا اور انہیں گھروں میں رکھنا "سنگین جرم" ہے۔ گذشتہ دنوں مالاکنڈ انتظامیہ نے پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے رہنما صاحب شاہ صابر کو سائنسی کتب کو پڑھنے اور رکھنے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ صابر بی اے کا طالب علم ہے اور بی اے کے امتحان ۳ جولائی سے شروع ہو چکے ہیں صابر نے انتظامیہ سے درخواست کی کہ اسے امتحان دینے کی اجازت دی جائے لیکن انتظامیہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انتظامیہ علم دشمن ہے اور علاقے کے خوانین کے اشاروں پر نوجوان نسل کو تعلیم سے محروم کرنے کی سازش کر رہی ہے۔

(شیر محمد صدر پی ایس ایف)

کلمہ حق کا اظہار

حدیثِ نبوی ہے کہ سب سے بڑا جہاد جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے اور اس حدیث پر عمل کرنے والوں میں آپ پیش پیش ہیں یہ رائے صرف میری ہی نہیں بلکہ پاکستان کی اکثریت بھی یہی کچھ کہتی ہے آپ نے جس جرأت اور بے باکی سے سچائی کی راہ کو اپنایا ہے دور حاضر میں ایک مثال ہے اگرچہ یہ راہ کٹھن ہے، دشواریاں زیادہ ہیں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ آپ اسی جرأت پامردی سے راہ حق پر چلتے رہیں گے اور مظلوم طبقات کی ترجمانی کا حق ادا کرتے رہیں گے

(خان عواص صادق مردان)

هفت روزہ

پربھات

نواب شاہ

چیف ایڈیٹر: عبدالفتاح ابڑو

جلد: ۸ شمارہ: ۲۱

۲۱ جولائی ۱۹۷۸ء

قیمت، ۴ روپے

ایڈیٹر
وہاب صدیقی

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر
واحد بشیر

کالم نگار
حسین نقی، شبیہہ الحسن

طنز و مزاح
ابوضیا اقبال

انتظامی امور
حاجی عادل

سرورق
سعید الدین حسین

خاص مضامین

اسلام آباد
ذوالفقار حیدری

پبلشر
عبدالفتاح ابڑو
مقامِ اشاعت
دفتر ہفت روزہ
پربھات، کچہری روڈ، نواب شاہ

پرنٹر
سید ناصر علی
مطبع
یورپ پرنٹنگ پریس کراچی

صوبائی نمائندے

سندھ مقیم حیدرآباد
احسان عظیم

پنجاب مقیم لاہور
کاشف

سرحد مقیم پشاور
شہزاد غزنوی

بلوچستان مقیم کوئٹہ
ناصر عرفات

ضلعی نمائندے

میرپورخاص
محبوب احمد

فیصل آباد، گوجرانوالہ
طارق سعید
محمد افضل جنجوعہ

سانگھڑ
ایاز سندھی

شیخوپورہ
ٹوبہ ٹیک سنگھ
غیاث الدین جانباز

میرپور، سکھر
جیکب آباد، لاڑکانہ
محمد نواز خلجی

گوادر
سلیمان شیروف

ٹنڈو الہ یار
کامل سمعون

میانوالی
روشن ملک

ملتان
ناصر زیدی

آزاد کشمیر
سید نذیر گیلانی

غیر ممالک

پیکنگ
رشید بٹ

ماسکو
محمد زاہد

کینیڈا
سعید ابن سعود

لندن
عبدالحفیظ قریشی

یورپ، فاروق طارق

متحدہ عرب امارات
مقیم دبئی
غلام جیلانی

اداریہ

مزدوروں کے خلاف سازش

ایک دیہاتی ضرب المثل ہے "جب ہوا چلتی ہے تو چوہے کے بل میں بھی پہنچتی ہے" یہ ضرب المثل ہمیں اس لئے یاد آئی کہ ہم نے اخبارات میں پڑھا اور ٹی وی اسکرین پر دیکھا کہ پروفیسر شفیع ملک نے ایشیائی اسلامی مزدور کانفرنس کے نام سے ایک بڑے "شو" کا اہتمام کیا۔ اس حوالے اور ضرب المثل میں تعلق یہ ہے کہ جب ۱۹۵۸ء میں فیلڈ مارشل ایوب خاں نے ملک میں پہلی بار مارشل لاء نافذ کیا تو پروفیسر صاحب کا برسوں تک پتہ نہیں چلا تھا کہ کس بل میں پناہ گزین تھے۔ اب جو ہوا موتمر عالم اسلامی کے پسِ پردہ جماعت اسلامی نے چلائی ہے وہ اُن تک بھی پہنچی اور بڑے زور و شور سے پہنچی۔ یہ زور و شور ان کا اپنا نہیں بلکہ سرکاری ذرائع ابلاغ۔ ریڈیو، ٹی وی وغیرہ کا ہے۔

بظاہر اس بات میں کوئی برائی نظر نہیں آتی کہ اسلامی ممالک کے مزدور آپس میں اتحاد قائم کرکے اپنے حالاتِ کار کو بہتر بنانے اور حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کریں۔ لیکن جب اسے ایشیائی اسلامی مزدور کانفرنس کا نام دیا جائے تو یہ کوشش مشکوک ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ایشیا صرف اسلامی ممالک کا نام نہیں اور مزدور صرف مسلمان ہی نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ایسے اسلامی ممالک جنہیں آج کل قابلِ تقلید قرار دینے کے لئے پوری طاقت صرف کی جا رہی ہے وہاں تو ٹریڈ یونین کا نام لینا بھی مصیبت کو دعوت دینا ہے۔ جہاں غیر ممالک سے جانے والے مزدور جو بالعموم مسلمان ہی ہوتے ہیں نیم غلامانہ ماحول میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ اس "شو" کے منتظمین کی نیت اسی بات سے ظاہر ہے کہ انہوں نے ان حالات کی طرف اشارہ کرکے بہتری پیدا کرنے کی درخواست تک نہیں کی۔ ان غیر انسانی اور غیر منصفانہ حالات کے خلاف احتجاج تو بہت دور کی بات رہی۔

قصہ دراصل یہ ہے کہ ٹریڈ یونین تحریک کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک سرمایہ دار اور سامراجی طاقتیں سر توڑ کوشش کر رہی ہیں کہ رنگ، نسل اور مذہب کی بنیاد پر مزدوروں میں پھوٹ ڈالیں۔ آج کل ان کوششوں کی قیادت امریکی سی آئی اے اور اس کی زیرِ نگرانی کام کرنے والی مختلف نام نہاد مزدور تنظیمیں کر رہی ہیں۔ پروفیسر شفیع ان کے رفقاء اور سرپرستوں کو اچھی طرح علم ہے کہ مزدور طبقہ ان کی ان مذموم کوششوں کا منہ توڑ جواب دے گا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس تفرقہ اندازی سے باز نہیں آئیں گے کہ شر پیدا کرنا اور ناکام ہو کر دوبارہ شر پیدا کرنا اور ناکام ہو کر دوبارہ شر پیدا کرتے رہنا اور آخری سانس تک اس عمل کو جاری رکھنا ان کی فطرت ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ پاکستانی، ایشیائی، مسلم اور غیر مسلم تمام مزدور ان کوششوں کو ناکام بناتے ہوئے اپنے اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بناتے جائیں گے اور امن، خوشحالی اور استحصال کے خاتمے کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھیں گے۔

آزادیٔ اظہار کے دشمن

اردو کالج میں طلباء کے اکثریتی ووٹوں سے منتخب ہونے والی یونین نے ملک کے صحافیوں کی جدوجہد سے اپنی یکجہتی کا اظہار کرنے کے لئے ۱۱ جولائی کو کالج کی حدود میں ایک جلسے کا انتظام کیا اور عوامی جدوجہد کمیٹی اور پی ایف یو جے کے رہنماؤں کو مدعو کیا۔ آزادیٔ اظہار اور جمہوری اقدار سے دشمنی رکھنے والی جماعت، جماعت اسلامی اور اس کی طفیلی بچہ تنظیم نے اس جلسے کو منتشر کرنے کے لئے تشدد اور غنڈہ گردی کا افسوسناک مظاہرہ کیا اور اس مقصد کے لئے کالج کے باہر سے بڑی تعداد میں لوگ لائے گئے جن کی اکثریت کا تعلیمی اداروں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان عناصر کے پتھراؤ سے اردو کالج کے کئی طلباء اور ان کے مہمان زخمی ہوئے جن میں پی ایف یو جے کے صدر اور ایپنک کے چیئرمین جناب منہاج برنا اور طالب علم رہنما جانِ عالم بھی شامل تھے۔

کسی مسئلے کی حمایت یا مخالفت طلباء اور دوسرے شہریوں کا بنیادی حق ہے لیکن اجتماعی مفادات کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے باہمی احترام اور شائستگی کی حدود میں رہنا چاہیئے۔ جو حقائق سامنے آتے ہیں اُن سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اس مذموم حرکت کی ذمہ داری کالج کے باہر سے جمع کئے گئے افراد پر ہے۔ جو جماعت اسلامی کے "دہشت گرد جتھے" پر مشتمل تھے۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک اور قابلِ مذمت عمل ہے۔ ہم اس کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ لاقانونیت کے اس مظاہرے میں ان افراد کے علاوہ سرکاری ایجنسیوں سے متعلق افراد بھی ملوث رہے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک انتہائی ذمہ دار سرکاری ادارے نے مداخلت کرکے چند حقائق کی اشاعت کو روکا ہے۔ ہم سرکاری ایجنسیوں کے اس رویّے کی پُرزور مذمت کرتے ہیں اور اس کے خلاف سخت احتجاج کرتے ہیں

اک تماشہ بن گئی ہے

پیپلز پارٹی سخت جان ثابت ہو رہی ہے

پابندیوں میں جکڑے ہوئے عوام اپنے تشخص کی تلاش میں ہیں

واحد بشیر

۵ جولائی ۱۹۷۸ء بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا ۲۵ جون ۱۹۷۸ء کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سیاسی بساط کو جمنے سے پہلے ہی الٹ کر نئی بازی شروع کردی۔ یعنی قومی حکومت یا سویلین حکومت کی خود اپنی پیش کردہ تجویز واپس لے لی اور ایک نئی حکومت کے

قیام کا اعلان کیا۔ ہمیں نہ تو یہ پتہ ہے کہ اس اعلان کی پذیرائی میں کتنے لوگوں نے حکومت میں شمولیت کے لئے اپنی خدمات پیش کیں نہ ہی یہ علم ہے کہ جن لوگوں کو حکومت میں شامل کیا گیا ہے یا جو آئندہ کے سنبھالنے والے ہیں یہ ان کی اپنی درخواست کے جواب میں ہے یا کسی کھوجنے والی نظر نے انہیں چنا ہے۔ صورت حال کچھ بھی ہو اسے عام آدمی سے چھپایا جا رہا ہے کیونکہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں۔ حالانکہ بعض لوگ ان کے اس موقف سے اتفاق نہیں کرتے اور اسی سلسلے میں کراچی کے ایک قانون داں جناب فتحیاب علی خاں کی ایک درخواست سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے جس میں جنرل ضیاء الحق کی حکومت کو بلا جواز اور غیر قانونی قرار دینے کی استدعا کی گئی ہے۔

بہر حال ۵ جولائی کی سہ پہر چند لوگوں سے وزارت کا حلف لیا گیا۔ دستوری اعتبار سے یہ کس قسم کی حکومت ہے وہ تو دستور کی تشریح کے مجاز حکّام جانیں۔ جہاں تک عام آدمی کا تعلّق ہے وہ تو اسے "وفاقی" حکومت نہیں سمجھ سکتا اس لئے کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد سے کسی وفاق کا وجود نہیں ہے کیونکہ وفاق تو صرف اس حکومت کو کہا جا سکتا ہے جسے صوبے برضا و رغبت اختیارات تفویض کریں۔ لیکن جب پورے ملک میں سیاسی سرگرمیوں پر اس حد تک پابندی ہو کہ سیاسی جماعتیں اپنی جنرل کونسلوں کا اجلاس بند کمروں میں تک نہ طلب کر سکیں تو برضا و رغبت اور رضاکارانہ طور پر تفویض اختیارات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس تناظر میں نئی نامزد کابینہ صرف اور صرف چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے صوابدید کی پیداوار اور انہی کے سامنے جوابدہ ہے اس اعتبار سے اگر وہ کسی کی نمائندگی کرتی ہے تو وہ صرف اور صرف چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی ذات ہے جنہیں "نظریۂ ضرورت" کا تحفظ حاصل ہے اور یہ بات بھی ابھی سپریم کورٹ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ۹۰ دن کے اندر انتخابات کے وعدے سے انحراف کے بعد مارشل لاء انتظامیہ کو یہ تحفظ مزید حاصل ہے بھی یا نہیں!

۵ جولائی ۱۹۷۸ء کے بعد جو بساطِ سیاست بچھی ہے اور اس پر جو بازی شروع ہوئی ہے وہ ابھی تک پیدل بڑھانے تک محدود ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد مہروں کے بڑھنے اور نئی قلعہ بندیوں کا مرحلہ آئے گا۔ قلعہ بندی ایک چال میں تو ہوتی نہیں اور اچھے شاطر تو ایسی قلعہ بندی کرتے ہیں جو بظاہر

مارشل لا حکومت عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے

قلعہ بندی بھی نظر نہیں آتی۔ لیکن ہماری بساطِ سیاست سے شاطر ہٹا دیئے گئے ہیں اور بازی نوآموزوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نتیجہ صرف اس بنیاد پر اخذ نہیں کیا جا رہا ہے کہ ۹۰ دن میں انتخابات کا وعدہ اور اس کے بعد کئی وعدے تشنۂ تکمیل رہ گئے بلکہ اب بھی یہ دیکھنے میں آ رہا ہے کہ سندھ سے محمد خاں جونیجو کی بحثیت وزیر ریلوے نامزدگی کے باوجود نہ تو اب تک ان کے حلف اٹھانے کی خبر آئی ہے نہ ہی ان کا کوئی اتہ پتہ معلوم ہو سکا۔ اسی طرح اعلان ہوا تھا کہ ۱۰ جولائی کو پنجاب کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی کابینہ حلف اٹھائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا نہ ہی کوئی یہ تبلانے کے لئے تیار ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ یہی نہیں زون سی کے بارے میں اعلان ہوا تھا کہ نئے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ۱۰ اجولائی سے اپنے فرائض سنبھال لیں گے لیکن یہ اعلان بھی عملی صورت اختیار نہیں کر سکا۔ اس صورتِ حال میں عوام کی بے یقینی اور عدم اعتماد میں اضافے کے سوا، اور کیا ہو سکتا ہے؟ حکومت اور عوام کے درمیان فاصلوں میں اضافے کے سوا اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے؟ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کہیں سے اینٹ کہیں سے روڑا اکٹھا کر کے عوام اور حکومت کے درمیان کوئی پل تعمیر کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ عوام کے لئے اظہار رائے کے تمام دروازے بند ہیں اس لئے ان کے احساسات کا اندازہ لگانے کا کوئی مرئی اور مادّی پیمانہ نہیں ہے لیکن وہ سیاسی گروہ اور افراد جنھیں خود مارشل لا انتظامیہ نے ایک حد تک اظہار کے مواقع فراہم کر رکھے ہیں ان کے تاثرات اور اقدامات سے عوامی دباؤ کے رُخ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان کے کسی موقف کے اختیار کرنے یا نہ کرنے کا مقصد مستقبل میں عوام کی حمایت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اور وہ کوئی ایسی بات کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے جو عوام میں ان کی قبولیت میں کمی کر دے۔

حالات و واقعات کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیتے وقت جو مشکل پیش آئی ہے یہ ہے کہ پاکستان قومی اتحاد کو مارشل لاء انتظامیہ سے علیحدہ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اس میں قصور دیکھنے والے کا نہیں ہے بلکہ خود قومی اتحاد کی قیادت نے مارشل لاء انتظامیہ کے ساتھ خود کو اس حد تک منسلک کر لیا کہ اپنا علیحدہ وجود بھی باقی نہ رکھ سکا۔ یوں لگتا ہے کہ پیپلز پارٹی کی مقبولیت کے مظاہرے ان کے اعصاب پر سوار ہو گئے اور انتخابات ملتوی کروانے سے لے کر جمہوریت کی بحالی میں تاخیر کی غرض سے کئے جانے والے ہر اقدام کی نہ صرف حمایت کی بلکہ رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے اس کی تاویلات میں ضرورت سے زیادہ وفاداری کا ثبوت دیا۔ خاص طور پر انتخاب پر احتساب کو ترجیح دینے کے نعرے نے قومی اتحاد

اصغر، مزاری اور نورانی مخالفت کے ذریعے قدم جمانے کی کوشش کر رہے ہیں

کے اعتبار کو بری طرح مجروح کیا۔ قومی حکومت میں شمولیت کے بارے میں اصولی اتفاق کا اظہار کر کے اس نے عوام سے رشتہ خود اپنے ہاتھوں کاٹ لیا۔ بڑی دیر بعد سہی لیکن قومی اتحاد کی قیادت کو سیاسی موت کی قدموں کی چاپ سنائی دی اور انہوں نے قومی حکومت میں شرکت شرکت کے لئے شرائط پیش کیں۔ ایسی شرائط جو جنرل ضیاء الحق اور ان کے فوجی رفقاء کے لیے قابلِ قبول نہیں ہو سکتی تھیں۔ اور اس طرح قومی حکومت کے قیام کا خواب حقیقت کا روپ نہ دھار سکا۔ ظاہر ہے کہ اس کا سب سے زیادہ صدمہ جماعت اسلامی کو ہی ہو سکتا تھا کیونکہ اسے ایوانِ اقتدار تک صرف مارشل لاء کی سیڑھی ہی پہنچا سکتی تھی۔ عوام کے ووٹوں سے جمہوری انتخابات میں اکثریت حاصل کرنا اس کا مقدر نہیں ہے۔ ملائشیا کے حالیہ انتخابات اس کا زندہ ثبوت ہیں ایک کھلی ہوئی اور شدید کمیونسٹ مخالف انتخابی مہم کے بعد بھی جس میں انتخابات میں حصہ لینے والی تمام بڑی جماعتیں شامل تھیں۔ ملائشیا کی جماعتِ اسلامی صرف ۵ نشستیں حاصل کر پائی جبکہ سابقہ ایوان میں اسے ۱۴ نشستیں حاصل تھیں۔ اس لئے موجودہ صورتحال اس کے لئے سانپ کے منہ کی چھچھوندر بن گئی ہے۔ مفتی محمود صاحب اور انکی جماعت جمعیت العلماء اسلام کی حالت اس سے بھی گئی گزری ہے۔ جس نیپ کے ساتھ اسکا متحدہ محاذ تھا اس کا شیرازہ بکھر چکا ہے این ڈی پی اس کا نعم البدل نہیں ہے۔ جماعت اسلامی اور جمعیت میں گاڑی چھننے کی وجوہات میں سے ایک یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ تازہ ترین وجہ یہ ہی کہ قومی حکومت کے سوال پر این ڈی پی نے دوہری حکمت عملی اختیار کی۔ ایک طرف تو یہ اعلان کیا وہ ایسی کسی حکومت میں شامل نہیں ہو گی یہ بھی کہا کہ وہ ایسی حکومت کی مخالفت نہیں کریگی۔ مختصراً یہ کہ جماعت اسلامی اور جمعیت، علماء اسلام مارشل لا انتظامیہ سے رابطہ توڑ لینے کی متحمل نہیں ہو سکتیں یہی مجبوری مارشل لاء انتظامیہ کی بھی ہے کہ اسے یہ سراب قائم رکھنا ہے کہ سیاسی جماعتیں اس کی حمایت کرتی ہیں۔

قومی اتحاد کا ذکر کرتے ہوئے نوابزادہ نصراللہ خاں صاحب کو خراجِ تحسین پیش نہ کرنا بد دیانتی ہو گی۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد جمہوری اقدار کی حمایت میں انکی آواز نمایاں رہی ہے مگر وہ اپنے سیاسی قد و قامت کی مناسبت سے اپنی جماعت کو عوام میں مقبول نہیں بنا سکے۔ ان کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھایا گیا اور ان کی رائے کبھی قومی اتحاد کی رائے نہ بن سکی۔

مسلم لیگ کے بارے میں اس کے ہمدردوں کی رائے یہ رہی ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد یہ کبھی بھی ایک منظم سیاسی جماعت نہیں رہی بلکہ مفاد پرستوں اور جاہ طلبوں نے اس پر اسی طرح قبضہ

جمائے رکھا جیسے وہ کمزوروں، بیواؤں اور یتیموں کے مال و متاع پر قبضہ جماتے چلے آئے ہیں اس کو سدھارتے سدھارتے لیاقت علی خاں خود سدھار گئے محترمہ فاطمہ جناح اور سردار عبدالرّب نشتر اور ان جیسے لوگ خاک کا پیوند ہو گئے - حد تو یہ ہے کہ خان عبدالقیوم خاں ۲۲ میل لمبا جلوس نکلوانے، ایوب خانی مارشل لاء حکومت سے معافی مانگنے اور بھٹو حکومت میں سینئر وزیر کے منصب ... زینے کے بعد سیاسی عجائب گھر میں محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ اب تو انگریزوں کے منصوبی انتظامات کے تحت پاکستان میں جلاوطنی کے دوران تربیت

(باقی صفحہ ۴۹ پر)

گذشتہ دنوں امام کعبہ محمد بن عبداللہ بن سبیل، ایشیائی اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لئے پاکستان آئے، انہوں نے اسلامی مزدور کانفرنس میں بھی شرکت کی۔ امام کعبہ مارچ ۱۹۷۶ء میں بھی پاکستان آئے تھے۔ اور پہلی عالمی سیرت کانفرنس میں شرکت کی تھی۔ اس کانفرنس کا اہتمام بھٹو حکومت نے کیا تھا۔ مارچ ۱۹۷۶ء اور جولائی ۱۹۷۸ء کے دوروں کے دوران امام کعبہ نے تقریریں کیں۔ ان کی تقریروں کے اقتباسات بلاتبصرہ درج ذیل ہیں۔

امام کعبہ نے کہا....

(۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۸ء تک)

بھٹو اسلام کی سربلندی کے لئے مخلص ہیں

۱۲ مارچ ۱۹۷۶ء

"اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور وہ شخص جو تم میں سے (مسلمانوں میں سے) تم پر حاکم بنا دیا گیا ہو اس کی اطاعت کرو۔" آپ وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو سے تعاون کریں اور ان کی حمایت کریں۔ کیوں کہ وہ اسلام سے گہری محبت کرتے ہیں۔ اور عالم اسلام کے اتحاد اور سربلندی کے لئے کام کر رہے ہیں۔

۱۷ مارچ ۱۹۷۶ء

مجھے امید ہے کہ پاکستان وزیراعظم بھٹو کی فعال قیادت میں اسلام کی یکجہتی اور ترقی کے سلسلے میں اہم کردار ادا کرے گا میں نے آج تک کسی ایسے مدبّر سے ملاقات نہیں کی جو ان سے زیادہ روشن خیال ہو اور زندگی کے حقائق پر ان سے زیادہ گہری نظر رکھتا ہو۔

۲۱ مارچ ۱۹۷۶ء

"مجھے وزیراعظم بھٹو سے ملاقات کا موقع ملا ہے اور میں نے انہیں اسلام کی سربلندی کے لئے مخلص پایا ہے۔" امام کعبہ نے وزیراعظم بھٹو کی درازی عمر اور پاکستان کی خوشحالی کے لئے دعا کی۔

۲۲ مارچ ۱۹۷۶ء

پاکستان کی حکومت نے وزیراعظم بھٹو کی قیادت میں پہلی عالمی سیرتِ نبوی کانفرنس منعقد کر کے اسلام سے اپنی والہانہ محبت کا عملی ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

"جنرل ضیاؔ کے ہاتھ مضبوط کریں"

۷ جولائی ۱۹۷۸ء

دنیا بھر کے مسلمانوں کی نگاہیں پاکستان کے مسلمانوں اور ان کے موجودہ قائد پر لگی ہوئی ہیں۔ پاکستان کو ساری دنیا کے مسلمان اسلام کے مضبوط قلعوں میں سے ایک سمجھتے ہیں .... پورا عالم اسلام پاکستان کو اسلام کا گہوارہ سمجھتا ہے اس لئے تم اسلام کا علم بلند کرنے کے لئے اپنے لیڈر کی قیادت میں یک جان و قالب ہو کر مضبوطی کے ساتھ صف بندی کر لو اور اسلام کی اس کے دشمنوں سے حفاظت کے لئے کمربستہ ہو جاؤ .... ہم نے تمہارے قائد کے اقوال و اعمال میں اسلام کے لئے محبت کا جذبہ موجزن پایا ہے۔ اس لئے تم بھی اسلام کی سربلندی اور ملک میں نظامِ اسلام کے قیام کے لئے اپنے لیڈر کی کوششوں میں شامل ہو جاؤ۔

۸ جولائی ۱۹۷۸ء

امامِ کعبہ نے پاکستان کے محنت کش لوگوں پر زور دیا کہ وہ اسلام کے اعلیٰ اور مقدس نصب العین کے لئے جنرل محمد ضیاء الحق کے ہاتھ مضبوط کریں۔ انہوں نے کہا کہ مزدوروں اور سربراہ حکومت کے درمیان ناقابلِ شکست اتحاد سے اسلام کے نفاذ کو بڑی تقویت ملیگی اور اس عظیم اسلامی ملک کے لوگوں کی ترقی میں بڑی مدد ملے گی۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے جو ذمہ داریاں سنبھالی ہیں آپ کو چاہیئے کہ ان سے عہدہ برآ ہونے میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر غربت کے خلاف جنگ کرنے اور اس اسلامی ریاست کے لوگوں کو خوشحال بنانے کا عزم کر چکے ہیں۔

مارشل لاء کابینہ

کون کیا ہے

وقائع نویس

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاالحق نے ۲۲ ارکان پر مشتمل مارشل لا کابینہ کا اعلان کرتے ہوئے ایک بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ وہ اور ان کے وزرا سوائے خدا، نئی مقننہ اور اپنے ضمیر کے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں گے۔ یہ بات جو انہوں نے اخباری نمائندوں کے اس سوال کے جواب میں کہی ہے کہ آیا نئی کابینہ عوام کے سامنے جواب دہ ہوگی، بڑی خوش آئند اور طمانیت بخش ہے کہ کرسئ اقتدار پر بیٹھا ہوا کوئی فرد خود کو جیتے جی خدا کے حضور سمجھے اور اسے میدانِ حشر کے لئے اٹھا نہ رکھے۔ اپنے ضمیر کو زندہ سمجھتے ہوئے اپنے اعمال کو اس کی صوابدید پر چھوڑ دے۔

دوسری بات جو غالباً جنرل صاحب نے پیش بندی اور احتساب کی رعایت سے کہی، یہ ہے کہ وزرا اپنے اثاثے اور قرضے ظاہر کریں گے اور ان کی اچھی طرح چھان بین کی جائے گی۔ یقیناً وزرا کی اکثریت اس امتحان سے سرخرو نکلے گی کیونکہ بیشتر حضرات محض اپنی سیاسی "سوجھ بوجھ" کی بنا پر لکھ پتی نہیں بنے ہیں، بلکہ وہ منہ میں سونے کا چمچہ لئے میدانِ اقتدار میں آئے ہیں۔ البتہ جو لوگ چھان بین کے عمل سے متاثر ہونا چاہیں گے، انہیں کارِ خیر میں حصہ لینے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

اگر لفظ اثاثہ کو فقط دولت اور جائیداد ہی تصور نہ کیا جائے اور کابینہ میں شرکت سے پہلے ان کے کردار، نظریات اور افکار کو بھی ان کا اثاثہ سمجھا جائے تو چھان بین سے بہت سے دلچسپ پہلو سامنے آئیں گے۔ ان کی چند مثالیں محض تفننِ طبع کے لئے نذرِ قارئین ہیں۔

سب سے پہلے کابینہ کی سب سے قدآور شخصیت مسٹر اے کے بروہی کا تذکرہ ضروری ہے جو شہرۂ آفاق قانون داں، اسلامی نظریات کے بہت بڑے مبلغ اور نظریۂ ضرورت کے زبردست حامی ہیں۔ یہاں یہ حوالہ بھی غیر ضروری نہیں ہے کہ آپ محمد علی بوگرہ کی کابینہ میں جو ۱۷ اپریل ۵۳ء تا ۲۴ اکتوبر ۵۴ء ملک پر حکمراں رہی وزیر قانون تھے۔ یہ کابینہ گورنر جنرل غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو برطرف کر کے بنوائی تھی۔ ۲۴ اکتوبر ۵۴ء کو گورنر جنرل نے ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کرتے ہوئے آئین ساز اسمبلی توڑ دی اور محمد علی بوگرہ نے نئی کابینہ بنائی تو بروہی صاحب کو اس میں شامل نہیں کیا گیا۔

البتہ وہ اٹارنی جنرل بنا دیئے گئے۔

اٹارنی جنرل کی حیثیت سے بروہی صاحب نے ۱۹۵۵ء میں ڈھاکہ جاکر جو تقریر فرمائی تھی وہ پاکستان کی تاریخ میں سنہری حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے، انہوں نے کہا تھا کہ "قرآن حکیم سے کوئی اسلامی دستور ثابت نہیں کیا جاسکتا اور اگر کوئی کرے تو میں اپنی جیب سے پانچ ہزار روپے انعام دوں گا۔" ان کا چیلنج قبول کرنے کے لئے فرقہ زیادہ سے کوئی نہ اٹھا۔ طرفہ تماشا یہ کہ جب وہ وزیر قانون تھے تو ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو دستور ساز اسمبلی نے فیصلہ کیا کہ پاکستان میں قرآن و سنّت کے خلاف کوئی قانون منظور نہ ہوگا۔

ایوب خان کے دور میں جب انہیں بھارت میں ہائی کمشنر بنا کر بھیجا گیا تو وہاں انہوں نے پنڈت نہرو کو اپنا آئیڈیل تسلیم کرلیا۔ نہ جانے پنڈت جی نے اپنے ... کی پذیرائی کی یا نہیں البتہ ایوب خان ... کمشنر مسٹر شفقت کی رپورٹ پر انہیں برطرف کرکے ملک کو ایک مثالی سفارتی نمائندے اور پنڈت جی کو اپنے ایک چاہنے والے سے محروم کردیا۔ لعدمیں جب ایوب خاں ۱۹۷۰ء میں مسند اقتدار پر تشریف فرما نہیں تھے اور ان کی طرف سے کوئی خدشہ لاحق نہیں رہا تو بروہی صاحب نے انکشاف فرمایا کہ ایوب خاں نے بھارت کو چین کے خلاف پاک بھارت مشترکہ دفاع کے لئے راضی کرنے بھیجا تھا۔ مردِ حق گو کی یہی پہچان ہے۔

بروہی صاحب کی ایک اور ملکی خدمت یہ ہے کہ وہ پاکستان میں کانگریس آف کلچرل فریڈم کے روحِ رواں تھے جو امریکی سی آئی اے کا ایک ذیلی ادارہ تھا۔

مارشل لاء کابینہ میں دوسری اہم شخصیت مسٹر غلام اسحٰق خاں کی ہے جن کی منصوبہ بندیوں کا آج چار سو چرچا ہے۔ آپ ۱۹۴۰ء میں انڈین سول سروس میں شامل ہوئے تھے اور آج تک بفضل خدا انہی ٹھاٹ باٹ کے بیوروکریٹ ہیں۔ دروغ برگردنِ راوی پاکستان پر اس تیس سال کے عرصے میں اصل حکومت تین بیوروکریٹس نے کی۔ یہ چوہدری محمد علی، عزیز احمد اور غلام اسحٰق خاں ہیں۔ چوہدری محمد علی جو آئی سی ایس تھے اور پاکستان بننے پر حکومت کے سکریٹری جنرل بنے، خواجہ ناظم الدین کی کابینہ میں وزیر خزانہ بنے تھے کہ ان کا تعلق شروع ہی سے وزارت خزانہ سے تھا اور ماہر مالیات سمجھے جاتے تھے۔ اسی طرح غلام اسحٰق خاں بھی تیس سالوں تک مختلف محکموں میں سکریٹری اور چیف سکریٹری یا دوسرے اعلیٰ عہدوں پر رہے البتہ انہیں وزارت کبھی نہ ملی۔ منصوبہ بندی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں لیکن ان کے پانچ سالہ منصوبے میں اسلام کا کہیں نام نہیں ہے جس کی بنیاد پر جنرل محمد ضیاء الحق، چیف آف آرمی اسٹاف سے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنے اور جن کا سب سے بڑا مشن ملک میں اسلامی نظام رائج کرنا ہے۔

مسٹر غلام اسحٰق خاں سے ایک بات منسوب کی جاتی ہے کہ جب وہ مسٹر بھٹو کے حکومت کے نزاعی دور میں سکریٹری دفاع تھے تو انہوں نے ایک گھپلا کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مسٹر بھٹو نے پاکستان میں امریکی مداخلت کے بارے میں ۵۰ صفحات پر مشتمل ایک قرطاسِ ابیض تیار کیا تھا۔ اس کی ایک کاپی مسٹر عزیز احمد نے امریکی وزیر خارجہ مسٹر سائرس کو پیرس میں دی تھی اور آفس کاپی بقول ان کے مسٹر غلام اسحٰق کے حوالے کی تھی۔ چند ہفتوں کے بعد جب مسٹر بھٹو نے وہ کاپی طلب کی تو سکریٹری دفاع مسٹر غلام اسحٰق خاں نے اسی معصومیت سے بتایا کہ وہ مل نہیں رہی ہے (MIS PLACED) جس معصومیت سے ہونے والی ملکہ نور جہاں نے شہزادہ جہانگیر کو کبوتر اڑ جانے کی بات بتائی تھی۔ معلوم نہیں مسٹر بھٹو نے شہزادہ جہانگیر کی طرح اس معصوم جرم کو معاف کردیا یا اپنے سکریٹری دفاع سے کوئی اور سلوک کیا۔ بہر حال اس قرطاس ابیض کا کوئی سراغ نہ ملا۔

یادش بخیر، گندھارا فیم کے جنرل ریٹائرڈ حبیب اللہ خاں جو پہلے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مشیر تھے، اپنی پہلو دار خدمات کی بنا پر کابینہ میں شامل کر لئے گئے ہیں اور انہیں پھر صنعت کا شعبہ تفویض ہوا ہے جس کے ساتھ پیداوار بھی ہے۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مشیر کی حیثیت سے ان کا سب سے بڑا کارنامہ قومیائی گئی صنعتوں کو دوبارہ نجی تحویل میں دینے کی سفارش ہے جو بلا پس و پیش مان لی گئی۔ اس کے علاوہ صنعت کاروں اور مل مالکان کو کھلی چھٹی دینے اور مزدوروں کو "راہِ راست" پر لانے کا کریڈٹ بھی ان ہی کو جاتا ہے۔

مسٹر حبیب اللہ جو ایوب خاں کے سپوت گوہر ایوب کے خسر ہیں، اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب ہیں کہ ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کے افراد ہر حکومت میں کسی نہ کسی صورت میں شامل وزارت رہے ہیں۔ وہ اسلم خٹک اور یوسف خٹک اور بیگم کلثوم سیف اللہ کے بھائی ہیں۔ مسٹر حبیب اللہ کی ڈی نیشنلائزیشن کی پالیسی سے بہتوں کا بھلا ہوا ہے اور وہ اپنے سرمایہ دار، صنعت کار طبقے کی نمائندگی کا حق خوب ادا کرتے رہے ہیں۔ پاکستان کے مزدور ان کی اسلامی خدمات کو کبھی نہیں بھولیں گے۔ اس موقع پر حبیب جالب کی نظم کے یہ مصرعے ... نہیں ہوں گے۔

اِدھر بھی بھائی اُدھر بھی بھائی
بیچوں بیچ ہے گندھارا
پوبارہ ۔

بھلا ہو جنرل محمد ضیاء الحق کا کہ انہوں نے ایک پانی کے ترسے ہوتے کو ٹھنڈا پانی پلا کر ثواب دارین حاصل کیا، ورنہ وہ تشنہ لب گیا کچھ نہ کر گذرتا اور گناہ ہوتا جنرل صاحب کی گردن پر، یہ مراد سابق فٹ کانسٹیبل (جو بعد میں ترقی پاکر ہیڈ کانسٹیبل بنے اور پھر برطرف کر دیئے گئے) چوہدری ظہور الٰہی سے ہے۔ جن کا شمار اب بڑے بڑے سرمایہ داروں اور مل مالکان میں ہوتا ہے۔ ظالم بھٹو نے اس غریب کی ۱۳ ملیں غصب کر لی تھیں جو اگر قومی اتحاد کا نظام مصطفیٰ کا مطالبہ انہیں واپس نہ دلاتا تو چوہدری صاحب ٹوٹ گئے تھے۔

ان سے ایک قصہ منسوب کیا جاتا ہے کہ نواب کالا باغ کی مغربی پاکستان کی گورنری میں بہت سر اٹھا رہے تھے۔ نواب صاحب بھڑے کڑوے تیور لیکن بانکی چتون کے۔ انہیں بلا بھیجا اور مژدۂ جانفزا سنایا کہ ان کے ہیڈ کانسٹیبلی کے عہدے سے برطرفی کے احکامات واپس لئے جاتے ہیں اور وہ ایک ایس پی کے پاس جاکر ڈیوٹی پر حاضر ہونے کی رپورٹ دیں۔ ان کی گذشتہ بارہ تیرہ سالوں کی تنخواہ مل جائے گی اور نوکری بھی ریٹائرمنٹ تک محفوظ رہے گی۔ یہ سن کر چوہدری صاحب کے تو پسینے چھوٹ گئے اور بڑی مشکل سے جان چھڑائی۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ بھٹو صاحب کو بھی انہیں ان کا حق دلانا چاہیئے تھا۔ ان کی برطرفی کا ناجائز حکم واپس لے کر انہیں ملازمت پر بحال کر دینا چاہیئے تھا، تاکہ انہیں دوبارہ روزی مل جاتی۔ بھٹو صاحب بھی دادرسی نہ کرنے کی سزا سے بچ جاتے۔ چوہدری صاحب سرمایہ دار کب بنے؟ کیسے بنے؟ اس قصے کو دہرانا صفحات کا ضیاع ہے لہٰذا اب اسی حقیقت کو سامنے رکھنا ہے کہ وہ پاکستان کے چند مل مالکان میں سے ایک اور ایک بڑے سرمایہ دار ہیں۔

شریف الدین پیرزادہ کا نام نامی محتاج تعارف نہیں ہے۔ ہر مارشل لاء میں اٹارنی جنرل بننے کا اعزاز ان ہی کو حاصل ہوا ہے بلکہ یہ کہا جائے تو ان کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی کہ مارشل لاء لگتا ہی انہیں اٹارنی جنرل بنانے کے لئے ہے۔ جنرل ایوب خاں، جنرل یحییٰ خاں اور جنرل ضیاء۔ سب ہی مارشل لاء نافذ کرنے والوں نے ان کی قانون دانی سے بھرپور استفادہ کیا۔ بھٹو صاحب بھی اگر جنرل ہوتے تو شاید یہی کرتے۔ پیرزادہ صاحب کے ہر مارشل لاء حکومت میں اٹارنی جنرل بننے کی غالباً یہ وجہ ہے کہ وہ سرمایہ داروں کو قانونی تحفظ فراہم کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں اور بنیادی یعنی موروثی طور پر سرمایہ دار نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں ایک جملہ کافی ہوگا کہ نظریہ ضرورت کے اٹارنی جنرل ہیں

مارشل لاء حکومت کے دوسرے غیر فوجی نمائندوں میں خان آف قلات میر احمد خان مرحوم کے فرزند نیک اختر محی الدین بلوچ، قلعہ سیف اللہ کے سردار خان گل حسن خاں جوگیزئی، ہوتی خاندان کے محمد علی خاں ہوتی (جن کے نام سے مردان کی ہوتی مارکیٹ منسوب ہے اس خاندان کی شوگر ملیں بھی ہیں اور جب عبدالغفور ہوتی محمد ایوب خاں کے دور شہنشاہیت میں وزیر خوراک تھے تو چینی کا زبردست کال پڑا تھا) مشہور و معروف حبیب فیملی کے حمید ڈی۔ حبیب، برطانوی شہریت رکھنے والے مصطفیٰ گوکل، ایوبی دور کے محمد خاں جونیجو اور ہارون فیملی کے محمود ہارون یہ سب کس کے نمائندے ہیں ان میں سے کس کا تعلق سرمایہ داروں، صنعت کاروں یا جاگیردار طبقے سے نہیں ہے؟ ان میں غریب عوام، مزدوروں اور کاشت کاروں کا خیر خواہ اور درد مند نمائندہ کون نہیں ہے؟ کوئی بتلائے تو ہم بتلائیں کیا؟

محمود ہارون کا تذکرہ خصوصیت سے اس لئے ضروری ہے کہ صوبہ سندھ (سابق صوبہ بمبئی و سندھ) کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی زندگی میں ہارون خاندان کا پورا پورا حصہ رہا ہے۔ سر عبداللہ ہارون، لیڈی ہارون یوسف ہارون اور دیگر ہارون سب ہی سونے کا چمچہ منہ میں لے کر دنیا میں آئے اور یہ چمچہ اپنے خاندان والوں کے حوالے کرکے رخصت ہو گئے۔ یوں تو سب ہی ہارونوں نے ملک اور قوم کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں لیکن سچ کہاں وہ بات مولوی مدن کی سی۔ محمود ہارون اور ان کے برادر بزرگ یوسف ہارون نے دیگر ہارونوں کے مقابلے میں اپنی ایک الگ راہ بنائی ہے۔ محمود ہارون برصغیر کے ایک ناقابل فراموش سیاستدان اور ایک ملک کے بانی کے آقائے ولی نعمت بھی رہے ہیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن ان کے ادارے میں ملازم تھے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ بنگلہ دیش کے منصوبے کو ان کی حمایت حاصل تھی یا نہیں، البتہ بھٹو دور میں ان کی ولی خاں سے ملاقاتیں خاصا وزن رکھتی ہیں۔ بائیس خاندانوں میں سے یہ ایک خاندان سرمایہ داروں اور صنعت کاروں میں ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے جنرل محمد ضیاء الحق نے انہیں امور داخلہ سونپ کر ان کے کاروباری تجربے اور مزاج کا امتحان لیا ہے کہ لاء اینڈ آرڈر برقرار رکھنے میں وہ کس حد تک سرمایہ کاری اور اور صنعت کاری کرتے ہیں۔

محمود ہارون کی بات ہو تو ان کے بڑے بھائی اور سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ یوسف ہارون کا ذکر بھی ضروری ہے۔ وہ پان امریکن ایرویز کے نائب صدر ہیں اور ان کی بیشتر مصروفیات نیویارک میں رہتی ہیں ان کی پاکستان کے لئے ایک ناقابل فراموش خدمت یہ ہے کہ ایوبی بادشاہت کے دور میں تین دن کے لئے مغربی پاکستان کے گورنر رہے تھے۔

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے وزیر برائے جہاز رانی، بندرگاہیں اور فروغ برآمدات مصطفیٰ گوکل کو کراچی کاٹن ایسوسی ایشن سے ۲ جولائی کو خطاب کے دوران زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے کہ انہوں نے ملک میں غلے کا بحران پیدا نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے بتایا کہ مسٹر گوکل کی جہازوں کی فرم نے امریکہ سے گندم لانے کے لئے سب سے کم ٹینڈر دیا۔ اور ان کے جہاز گندم لے کر مقررہ وقت پر کراچی پہنچ رہے ہیں۔ کچھ لوگ پوچھ رہے ہیں کہ یہ ٹینڈر کب طلب کئے گئے تھے اور کس ذریعہ نشر و اشاعت؟

کابینہ کے ایک رکن زاہد سرفراز بھی سرمایہ داری کے حوالے سے زیادہ اور سیاسی حیثیت سے کم پہچانے جاتے ہیں۔ البتہ خواجہ محمد صفدر پارلیمانی امور کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں اور وہ بذات خود سرمایہ دار یا صنعت کار نہیں ہیں۔ انہیں حزب اختلاف کی

قتل کا ملزم

مارشل لاء کابینہ کا وزیر

وزارت میں شمولیت سے قبل مودودی اور میاں طفیل سے ملاقات

وقائع نویس

جماعت اسلامی کی ایک یہ بھی اسٹریٹیجی ہے کہ اپنے بندوں کو دوسری جماعتوں میں انفل ٹریٹ کرایا جائے اگر سیاسی جماعتیں خود کو کھنگھالنا شروع کریں تو ان کی صفوں سے بہت سے جماعتیے خنجر بدست برآمد ہوں گے۔ جاوید ہاشمی بھی جماعت اسلامی کا باقاعدہ رکن اور اعتماد کا آدمی ہے۔ جماعت اسلامی کی بغل بچہ تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ کی جانب سے اسے پنجاب یونیورسٹی طلبہ یونین کے الیکشن میں نامزد کیا گیا تھا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اسلامی جمعیت طلبا کسی ایسے طالب علم کو اپنا امیدوار نامزد نہیں کر سکتی جو فاشی تنظیم کے اغراض و مقاصد سے مکمل طور پر اتفاق نہ رکھتا ہو۔

یونیورسٹی سے نکلنے کے بعد جاوید ہاشمی کو جماعت اسلامی کی جانب سے ہدایت ملی کہ وہ تحریک استقلال میں شامل ہو جائے۔ کیونکہ یہ افواہ عام تھی کہ تحریک پیپلز پارٹی کے خلاف کیپر کرے گی۔ جماعت اسلامی کی حکمت عملی یہ تھی کہ تحریک میں بھی زیادہ سے زیادہ اس کے اپنے آدمی داخل کئے جائیں تاکہ کسی مناسب موقع پر تحریک کی پالیسیوں پر دباؤ ڈال کر اُسے اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا جا سکے۔

اسے جماعت اسلامی کی خوش قسمتی کہیئے کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل ضیاء پیپلز پارٹی کی حکومت کو برطرف کر کے برسر اقتدار آ گئے جو اپنے افکار و خیالات کے اعتبار سے کسی دوسری پارٹی کی نسبت جماعت اسلامی سے بہت قریب ہیں۔ حال ہی میں قومی اور سول حکومت کے قیام میں ناکامی کے بعد جب انہوں نے فوج، نوکر شاہی اور صنعت کاروں پر مشتمل وفاقی کابینہ بنانے کا اعلان کیا تو اس میں وزیر مملکت برائے طلبہ امور کی گنجائش نکال کر جاوید ہاشمی کو کابینہ میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ جاوید ہاشمی کے قریبی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے فوری طور پر مولانا مودودی اور میاں طفیل محمد سے رابطہ قائم کیا۔ وہاں سے جوں ہی گرین سگنل ملا۔ جاوید ہاشمی نے تحریک استقلال سے استعفیٰ دے دیا۔ اور الزام عائد کیا گیا

(باقی صـ ۴۲ پر)

برکات کے قتل کی ایف آئی آر

زاہد اسلام کی طرف سے درج کرائی گئی ابتدائی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ میں (زاہد اسلام) بی اے آنرز فرسٹ ایئر اکنامکس ڈیپارٹمنٹ پنجاب یونیورسٹی کیمپس میں زیر تعلیم ہوں میں این ایس او کا ممبر ہوں برکات احمد بھی اسی تنظیم کا ممبر ہے اس لئے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ گذشتہ شب پنجاب یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کا الیکشن ہو رہا تھا جس کے ووٹوں کی گنتی سینٹ ہال پنجاب یونیورسٹی میں ہو رہی تھی میں جہانگیر بدر، افتخار علی رانا، برکات احمد اور دو تین دیگر طلبا کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی کے بالمقابل لا ر کالج کنٹین کے قریب کھڑا باتیں کر رہا تھا کہ یونیورسٹی سینٹ ہال کی طرف سے کافی شور ہنگامہ سنا، میں چند قدم آگے گیا جہاں سے میں نے چاند اور سٹریٹ لائٹ کی روشنی میں دیکھا کہ رانا نذر الرحمان جو پستول سے مسلح تھا۔ جاوید ہاشمی جو پستول سے مسلح تھا۔ حفیظ خان جو رائفل سے مسلح تھا اور محمد لقمان جو رائفل سے مسلح تھا سینٹ ہال کے گیٹ کے باہر فائرنگ کر رہے ہیں ان سب کا رُخ لا کالج کی کنٹین کی طرف تھا اچانک اسی جانب سے میں نے برکات احمد کے ساتھیوں کا شور سنا میں نے فوراً پیچھے جا کر دیکھا تو برکات احمد کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا جو انہیں لوگوں کی فائرنگ سے زخمی ہو کر گرا پڑا تھا۔ میں اور افتخار رانا اسے کار میں ڈال کر میو ہسپتال کے کائیلٹی وارڈ میں لے گئے جہاں وہ جاں بحق ہو گیا۔ ایف آئی آر کے مطابق یہ وقوعہ رات ساڑھے بارہ بجے کا تھا۔ عدالت میں پیش کردہ مکمل چالان کے مطابق اس مقدمہ قتل میں پولیس افسروں اور میو ہسپتال کے ڈاکٹروں سمیت پندرہ گواہ ہیں۔ جن میں زاہد اسلام، ولایت علی خان ایس ایم سمیع، افتخار علی رانا، جہانگیر بدر، اعجاز بیگ اور حاجی اسماعیل ظفر بھی شامل ہیں۔ اس مقدمے میں استغاثے کی طرف سے جو وکلا پیش ہو رہے ہیں ان میں میاں سلیم جہانگیر، ریاض لون، لطیف چوہدری اور راجہ ذوالقرنین شامل ہیں۔

ذوالفقار حیدری　　اسلام آباد

ظہور الٰہی "میں خان قیوم کی تمام خوبیاں ہیں"

کوثر نیازی اوندھے لیٹ کر صدمات سہہ رہے ہیں

چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے اقتدار کی پہلی سالگرہ کے موقعہ پر قوم کو ایک غیر منتخب حکومت کا تحفہ پیش کر دیا ہے یہ غیر منتخب حکومت منتخب حکومت کا تختہ الٹے جانے کے ایک سال بعد قائم کی گئی ہے مسلم لیگ کی ۳۰ سالہ روایات کے عین مطابق اس نے ایک بار پھر مارشل لا حکومت کو سہارا دے دیا ہے کیوں کہ قائد اعظم اور قائد ملت کے انتقال اور شہادت کے بعد اب صرف اسی ذریعہ سے ایوانِ اقتدار تک پہنچا جا سکتا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد ہمیں وراثت میں قائد اعظم نے ایک وسیع ملک دیا اس ملک کی سالمیت کے دعویداروں میں وہ لوگ ہمیشہ آگے آگے رہے جو ملک کے عوام میں ذرہ برابر بھی مقبول نہیں تھے ان غیر مقبول لوگوں نے اقتدار کے ایوان میں داخل ہونے اور وہاں اپنا قبضہ مضبوط کرنے کے لیے جس قدر استحصال پاکستان قوم اور اسلام کا کیا کسی دوسری چیز کا نہیں کیا جب بھی ان غیر مقبول حکمرانوں کے اقتدار کا سنگھاسن ڈولا پاکستان کی سالمیت قوم کا اتحاد اور اسلام سب ایک ساتھ خطرہ میں پڑ گیا۔ لوگ چلا چلا کر اسلام خطرہ میں ہے، ملک خطرہ میں ہے اور پاکستان خطرہ میں ہے کے فلک شگاف نعرے لگانے لگے تاکہ انہیں اقتدار کے ایوان میں مزید کچھ دیر رہنے کا موقعہ مل جائے اور جب ملک کی سالمیت واقعی خطرہ میں تھی تو ملک کی سالمیت کی حفاظت کے یہ نام نہاد عہدیدار نجانے کہاں سوئے ہوئے تھے ان میں سے اکثر ایک بار پھر اپنی سر عام شکست کا بدلہ لینے کے لئے اب بزعم خود محب وطن یحییٰ خان کے ساتھ سازشوں میں مصروف تھے۔ انہی محلاتی سازشوں اور جوڑ توڑ نے ایک ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ڈوبتی کشتی کو بھنور میں پھنسا دیکھ کر بھی ان نام نہاد محب وطن افراد کے دل میں ملک کی محبت کا درد نہیں جاگا اور جب پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اکیلے ہی اس تمام صورتِ حال کا مقابلہ کرتے ہوئے صورتِ حال کو اپنے حق میں تبدیل کر لیا تو یہ چھپے ہوئے لوگ پھر لہرا کر باہر نکل آئے انہیں پھر ملک کی ہمدردی کا دورہ پڑا ان کے پیٹ میں پھر قوم کے اتحاد کا درد اٹھا اور ان کے دن رات کانٹوں کی سیج پر بسر ہونے لگے

انہوں نے واویلا شروع کر دیا اور جب پاکستان پیپلز پارٹی کے کچھ ناعاقبت اندیش ملک اختر دل اور نصر اللہ خٹکوں نے اپنا کام دکھایا تو یہ مسترد لوگ عوام کے کاندھوں پر سوار ہو گئے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی منتخب حکومت کا تختہ الٹوا کر یہ مارشل لا کے کاندھوں پر سوار ہو گئے اور جنرل ضیاء الحق کے بارے میں یہ تاثر عام

ہوتا چلا گیا کہ وہ جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کی قیادت سے مشورہ لے کر کام کرتے ہیں۔ جب مخلوط یا قومی حکومت کی بات چلی کہ پاکستان مسلم لیگ کو اپنا مستقبل تابناک نظر آنے لگا بڑے بڑے گرگِ باراں دیدہ ایک جگہ اکٹھے ہو گئے ملک کی سالمیت اور استحکام کے پُر فریب نعرے کے بل بوتے پر ایک بار پھر ایوانِ اقتدار میں چور دروازے سے داخلے کا پروگرام مرتب کر لیا گیا۔ پاکستان قومی اتحاد کی قیادت نے جب اس پیشکش پر لیت و لعل کی تو مسلم لیگ کے نام نہاد لیڈروں کا اضطراب دیکھنے کے قابل تھا بہر حال پھر مشورے دیے گئے اور جب میدان صاف کرا دیا گیا تو یہ سب دھم سے بلکہ چھم سے چور راستے سے ایوانِ اقتدار میں پھاند پڑے یہ ڈاکہ رات کی تاریکی کی بجائے دن کے اجالے میں پڑا قوم اور ملک کے یہ درد مند اب بڑے مزے میں مونچھوں کو تاؤ دیتے اور مزے کرتے ہیں اس دور میں بڑے بڑے ایمانداروں کی قلعی کھل گئی ہے خواجہ محمد صفدر کہ کنونشن مسلم لیگ کے زمانے میں بڑے زبردست اپوزیشن لیڈر رہتے یہ سچ ہے کہ ان کی ذاتی ایمانداری کی قسم کھائی جا سکتی ہے مگر ایمانداری اجتماعی مفاد کے بھی ہونی چاہیئے جمہوری انداز کے یہ علمبردار اب حاشیہ برداروں کی فہرست میں شامل ہیں دوسروں کا کیا رونا رونا چاہیئے چودھری

ظہور الٰہی تو اس دن کے لئے سب کچھ کرنے اور کروانے کو تیار رہتے۔ ہم نے پہلے بھی لکھا تھا اور اب دوبارہ لکھ رہے ہیں کہ خان عبدالقیوم خان عرف خان اعظم عرف ڈبل بیری خان کے سیٹ کردہ سٹیج پر ڈرامہ کا پارٹ اول کامیابی سے جاری ہے دوسرے دور میں انتخابات ہوں گے اور جیسا کہ مسلم لیگ کی دیرینہ روایت ہے اقتدار میں ہوا اس کے نمائندے ہار جائیں ناممکن ہے۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوگا۔ اور جب ملک کی سالمیت بقاء استحکام کی ضامن مسلم لیگ اور پاکستان کی بانی مسلم لیگ کی اکثریت ہوگی تو پھر ملک کو بنانے والے قائداعظم کے بعد اب اسی کرسی پر ملک کو بچانے والے شخص کی ضرورت ہوگی مسلم لیگ نے یہ کرسی ہمیشہ احسان مندی کے جذبے کے ساتھ اپنے آقا کو پیش کی ہے اس بار بھی ایسا ہی ہوگا جنرل ضیاء الحق صاحب صاف گوئی کے لئے ہمیں معاف کر دیں انہوں نے اقتدار کے ایوان میں مسلم لیگ کو گھسا کر اپنی شخصیت اور حیثیت کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اور کوئی دوسری جماعت اس حد تک تعاون کرنے کو تیار نہیں تھی مگر اسے یہ تعاون حاصل کرنے کی جو قیمت انہیں اب ادا کرنا پڑ رہی ہے اور بعد میں ادا کرنا پڑے گی اس کا اندازہ ہمیں بھی خوب ہے اور انہیں بھی خوب ہوگا اس کا اندازہ انہیں غالباً ابھی ہی ہے اسی لئے تو انہوں نے پاکستان قومی اتحاد کے ساتھ دوبارہ بات چیت شروع کی ہے جماعت اسلامی کے چودھری ظہور الٰہی اور میاں طفیل کی بےچینی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی جماعت نے بھی اندر خانے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ کھل کر تعاون کیا جائے اقتدار حاصل کیا جائے کہ اس کے سوا اور کوئی دوسرا ذریعہ اس کے حصول کا ہے ہی نہیں جماعت اسلامی کا شامل اقتدار ہونا ایک لازمی سی بات ہے کہ جنرل ضیاء الحق بار بار کہہ چکے ہیں کہ ملک میں طرز حکومت اسلامی ہوگا اور اس بات میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس اسلامی حکومت کے سربراہ نے خود سود کو ختم کرنے کی بجائے کم کرنے کا ایک فیصلہ چھوڑا ہے۔

تحریک استقلال کے سربراہ ایئر مارشل (ریٹائرڈ) ایم اصغر خان نے مسلم لیگ کی حکومت بنتے ہی اس کی اپوزیشن میں رہنے کا اعلان کر دیا ہے۔ ایم اصغر خان کے اس اعلان سے مسلم لیگی حلقوں کو سخت تکلیف ہوئی ہے اور تکلیف عین فطری ہے اور بجا ہے کہ ہم تو اس بات کے شدت سے قائل ہیں کہ اگر کوئی ہماری روزی پر بری نظر ڈالے یا اسے ختم کرنے کی کوشش کرے تو اس سے ہماری کھلی جنگ ہونی چاہیئے جس طرح ہم مل مالکوں سے اپنی روزی برقرار رکھنے کی جنگ لڑتے رہتے ہیں اس طرح مسلم لیگ نے تحریک استقلال سے اپنی روزی لگی رکھنے کی جنگ شروع کر دی ہے اصغر خان کی اپوزیشن حکومت کے لئے آسان نہیں ہوگی۔ انہوں نے پاکستان کی نئی حکومت سے پہلا بلاواسطہ مقابلہ آزاد کشمیر میں کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ بلاواسطہ یوں کہ آزاد کشمیر میں بظاہر حکومت پاکستان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ ۱۳ جولائی کو راولاکوٹ میں ایئر مارشل اصغر خان نے ایک جلسۂ عام کا اعلان کیا ہے۔ راولاکوٹ میں یوں کہ وہاں سیاسی سرگرمیوں پر کوئی پابندی نہیں ہے وہاں جلسہ ناکام بنانے کے لئے حکومت پاکستان نے آزاد کشمیر گورنمنٹ کی مدد کرنے کا اندرونی اور درپردہ

فیصلہ کیا ہے اگر یہ جلسہ کامیاب ہوگیا تو اصغر خان طاقتور ہوں گے۔ دوسری صورت میں انہیں اپنی حیثیت منوانے کے لئے تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔ گویا حکومت اور اپوزیشن کا پہلا معرکہ آزاد کشمیر میں ہو رہا ہے یہ معرکہ یہاں ہی ہوتا اگر سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد نہ ہوتی۔ ہمیں جنرل ضیاء الحق سے شکایت ہے کہ انہوں نے صاف ستھرے کھیل کے مسلمہ اصولوں کو نظرانداز کر کے اپنے وزراء کو تو سیاسی بیان دینے کی اجازت دے دی ہے۔ دوسرے سیاسی لیڈروں پر بیان دینے کی پابندی برقرار رکھی ہے۔ اس چھوٹ سے مسلم لیگ کو کھلی چھٹی مل گئی ہے اس کے وزراء روزانہ بیان دے رہے ہیں اور سب سیاسی نوعیت کے یہ تو ہاتھ باندھ کر مارنے والی بات ہے اور دنیا کے کسی غیر مہذب حصہ میں بھی اس قسم کے کھیل کو جائز نہیں سمجھا جاتا۔ یہاں مخالف کو نہ تو کچھ کہنے کی اجازت ہو اور نہ ہاتھ پیر ہلانے کی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ نے اپنا غیر رسمی اجلاس گذشتہ روز مسٹر غلام مصطفٰے جتوئی کی کوٹھی پر منعقد کیا۔ مولانا کوثر نیازی پورا نام حیات محمد خان کوثر نیازی پر یہ تیسرا صدمہ تھا۔ پہلا صدمہ، جنرل ضیاء الحق نے انہیں اقتدار میں شامل نہ کر کے پہنچایا حالانکہ اس کے لئے انہوں نے وعدہ بھی کر لیا تھا اور مولانا نے اپنا لباس بھی چپکے چپکے ڈرائی کلین کرا لیا تھا۔ کمال اظفر بھی کراچی سے آگئے تھے۔ دوسرا صدمہ پھر انہیں جنرل ضیاء الحق کی طرف سے اٹھانا پڑا، نصر اللہ خٹک کو نااہل قرار دے دیا گیا کہ وہ مولانا کی پارٹی کے واحد نائب صدر تھے۔ تیسرا صدمہ انہیں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے جانثاروں کی طرف سے اٹھانا پڑا کہ انہوں نے مسٹر غلام مصطفٰے جتوئی کو گومگو کی حالت سے نکال کر ان کے ذہن کو وسعت دی اور انہوں نے ٹھیک فیصلہ کر کے کوثر نیازی کی طرح طوطا چشم نہ ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا۔ صدمے تو مولانا کو اور بھی اٹھانا پڑیں گے کہ ابھی صوبائی وزراء کا حلف اٹھانا باقی ہے اور وہاں بھی انہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔ چلتے چلتے کمال اظفر کے بارے میں ایک حقیقی لطیفہ۔ جس شام غیر منتخب حکومت نے حلف لیا کسی نے مولانا کوثر نیازی کو فون کیا۔ وہ شرم سے منہ چھپاتے ہوئے تھے۔ کمال اظفر کو تلاش کیا گیا۔ ایک اخبار نویس نے گورنمنٹ ہاسٹل میں فون کیا۔ وہاں معلوم کیا کمال اظفر صاحب ہیں۔ جواب ملا ہیں۔ اخبار نویس نے ان سے کنکشن ملوایا اور کہا۔ کمال اظفر صاحب آپ نے آج حلف نہیں لیا۔ کمال اظفر بے تحاشہ ہنسنے لگے۔ اخبار نویس کو حیرت یہی تھی کہ ہنسنے کی بجائے اُدھر سے رونے کی آوازیں آنی چاہیئیں تھیں۔ بہرطور ہنسی رکوا کر ہنسنے کی وجہ معلوم کی گئی تو جواب ملا میں کمال اظفر ضرور ہوں مگر وہ کمال اظفر ہرگز نہیں ہوں جو وزیر بننے کو پھرتے ہیں۔ اخبار نویس پھر حیرت میں ڈوب گیا کہ ناموں کے اس چکر میں اس کی خبر نہیں بن سکی۔

مار دی جائے۔ بلکہ اس کی خواہشوں کے خلاف گزرتے لمحوں کا زہر رفتہ رفتہ اس کے ذہن میں موت بن کر اترتے رہنا بھی ایک سزا ہے۔ خیر نپولین کے اس مقولے کی صداقت کے لئے زندہ احساس کی ضرورت ہوتی ہے اور جب احساس زندہ ہو تو انسان احسان فراموشی اور غداری کا تصور ہی کب کر سکتا ہے۔

پشاور

شہزاد غزنوی

نصر اللہ خٹک

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ولی خان، ہر فوجی حکومت کے دور میں "علاج" کے لئے لندن کیوں جاتے ہیں؟

حکایت مشہور ہے کہ کسی بادشاہ نے دوسرے بادشاہ کے شہر پر حملہ کر دیا۔ اس شہر کے گرداگرد ایک مضبوط فصیل کھینچی ہوئی تھی۔ جسے حملہ آور کسی طرح نہ توڑ سکا۔ اور اونچے دروازوں تک رسائی بھی ممکن نہ ہوئی جب حملہ آور بادشاہ ہزار کوشش پر بھی نہ فصیل توڑ سکا اور نہ ہی دروازہ کھلوا پایا تو اس نے محصور بادشاہ کے ایک درباری کو (جو بادشاہ کے کان میں بات کہنے کے لئے مشہور تھا) لاکھ حیلے بہانے سے بلوایا، اور مال و دولت کے ساتھ اس شہر کی بادشاہت بھی دینے کا لالچ دے کر اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ رات کی خاموشی میں شہر پناہ کا بڑا دروازہ کھول دے۔ پھر وہ لمحہ بھی آیا، جب حملہ آور بادشاہ لالچی درباری کے کھولے ہوئے دروازے سے گزر کر شہر پر قابض ہوا تو اس نے سب سے پہلے لالچی درباری کو بلوایا اور جلاد کو حکم دیا، کہ لالچی کا سر قلم کر دیا جائے۔ کہ اگر یہ اپنے بادشاہ کے ساتھ جس نے اسے فرش سے تخت تک پہنچایا، وفا نہ کر سکا، تو میں کیونکر وفا کی توقع رکھ سکتا ہوں۔

مجھے معلوم نہیں اس حکایت کا مولانا کوثر نیازی سے کیا تعلق ہے، لیکن صوبہ سرحد کے سابق وزیر اعلیٰ، تیونس میں پیپلز پارٹی بھٹو حکومت کے سفیر، کوثر نیازی گروپ کے سینئر نائب چیئرمین اور مارشل لاء حکومت کے غیر مشروط حمایتی نصر اللہ خان خٹک کو سرحد کے فوجی ٹریبونل نے، سات سال کے لئے نا اہل قرار دے دیا۔ ابھی چند دنوں پہلے یہ خبریں گرم تھیں کہ نصر اللہ خٹک عنقریب ہی سرحد کے وزیر اعلیٰ کا حلف اٹھانے والے ہیں۔ اور بھٹو کی پیپلز پارٹی کو نقصان پہنچانے کے صلے میں قیمت چکائی جانے والی ہے۔

لیکن خصوصی عدالت نے جو ان پر عائد الزامات کی تحقیق کر رہی تھی' ان الزامات کو صحیح پایا، اور موصوف کو مجرم قرار دیتے ہوئے انہیں سات سال کے لئے نا اہل قرار دے دیا۔ نصر اللہ خان خٹک کی نا اہلی نہ صرف خٹک صاحب کے لئے ایک نئے خطرے کی گھنٹی ہے بلکہ ان جیسی سیاست کرنے والے اور بہت سوں کے لئے الارم بجا رہی ہے۔ اور وہ سوچ رہے ہیں کہ

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

یوں تو اس گروپ کی قیمت اسی وقت ہی معلوم ہو گئی تھی جب جنرل ضیا نے اپنی کابینہ کے حلفِ وفاداری کے بعد ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ایک اخبار نویس کے جواب میں اس جماعت کا نام تک لینا بھی مناسب نہ سمجھا۔ اس کے باوجود یہ گروپ ابھی تک یہ توقع کر رہا تھا، کہ شاید کسی مرحلے پر جماعتِ اسلامی کی "سی" ٹیم کی حیثیت میں اسے بھی خیرات مل جائے، مگر نصر اللہ خان خٹک کی نا اہلی نے اب اسے سر بازار رسوا کر دیا ہے۔ ۲۵ جون کو جب جنرل ضیا نے سیاستدانوں کے بغیر حکومت کی تشکیل کا اعلان کیا، تو مسلم لیگ کے ساتھ ملاں کوثر نیازی نے بھی غیر مشروط حمایت کا یقین دلایا۔ لیکن جنرل ضیا جن کی صلاحیتیں رفتہ رفتہ طشت از بام ہو رہی ہیں۔ وہ بادشاہ والی حکایت سے پوری طرح باخبر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ جب کابینہ کی وزراء کی فہرست میں ایک بھی نیازیہ شامل نہ دیکھا، تو ایک گمبھیر چپ سادھ کر یوں غائب ہو گئے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ بہر طور بقول نپولین غدار کی یہی سزا نہیں کہ اسے گولی

جب بھی ملک پر کوئی مشکل لمحہ آتا ہے۔ ذہین سیاستدان خود کو یا تو جیل میں داخل کرا لیتے ہیں۔ یا پھر لندن میں بغرضِ علاج بیٹھ کر سیاسی بیان جاری کرتے رہتے ہیں۔ ولی خان بھی ان سیاستدانوں میں سے ایک ہیں۔ کہ جب عوامی یا سیاسی حکومت ہو، تو وہ ایک بہت بڑے سیاسی لیڈر کی حیثیت میں سیاست کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یا کوئی تحریک چل رہی ہو تو وہ اس میں شریک ہو جاتے ہیں لیکن جونہی کوئی غیر سیاسی یا فوجی حکومت آتی ہے وہ علاج کے لئے لندن چلے جاتے ہیں۔ ان دنوں وہ فوجی حکومت کے غیر مشروط حمایتی ہونے کے سبب باہر رہ کر وہ کام کر رہے ہیں جو پاکستان میں جنرل ضیا کر رہے ہیں۔ وہ اور ان کی بیگم صاحبہ ہر روز خانہ داری سے لے کر خارزارِ سیاست تک پر کبھی بی بی سی اور کبھی کسی دوسری ایجنسی کو مارشل لاء کی غیر مشروط حمایت میں بیان دے رہے ہیں۔ پاکستان کے معصوم جسم پر پڑنے والے کوڑوں کی آوازیں یا چوٹ کھاتے جسموں کی کراہیں ان کے کانوں تک بھی نہیں پہنچ پاتیں۔ اور وہ بھٹو "فسطائیت" کے مقابلے میں فوجی حکومت کی وکالت کرتے ہوئے پاکستان سے لندن تک پہنچ گئے ہیں۔ اور خبر گرم ہے کہ وہ جلد ہی افغانستان کے دورے پر جا کر ترہ کی کو رام کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن جب وہ یہ دورہ ختم کر کے پاکستان لوٹیں گے، تو یقیناً انہیں یہ احساس ہو گا کہ وہ مزید چند ماہ لندن میں ٹھہر سکتے تو زیادہ بہتر تھا۔ کہ اب سرحد میں جو کچھ لوگ اُن کے چاہنے ماننے والے رہ گئے تھے، ان کی موجودہ سیاسی حکمت عملی نے انہیں ان کی حمایت سے بھی محروم کر دیا ہے اب سرحد میں غریب خانوں کے ساتھ گاؤں کے حجرے بھی پیپلز پارٹی کے دفاتر میں بدلتے جا رہے ہیں اور اگر مستقبل میں بھی ولی خان خاندان کی یہ حکمت عملی جاری رہتی ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ سرحد سے سرحد کی عظیم تحریک خدائی خدمت گار کو شروع کرنے والا خاندان ہمیشہ کے لئے پس منظر میں چلا جائے۔

غینوں

کی

ڈائری

سردار قیوم نے بھٹو
قومی اتحاد مذاکرات کیلئے لاکھوں روپے لئے تھے

پریشر بہت ہے، حکومت دونوں ہاتھوں سے روکے ہوئے ہے

قومی اتحاد بدنام ہو چکا ہے
سردار قیوم

"آزاد کشمیر کے سابق صدر اور پاکستان قومی اتحاد کے رہنما سردار عبدالقیوم کے خلاف نا اہلی کے ٹریبونل کو اس وجہ سے ریفرنس بھیجا گیا ہے کہ حکومت کے علم میں یہ بات آئی ہے کہ انہوں نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سے ان کے دور حکومت کے آخری دنوں میں کئی لاکھ روپے حاصل کئے تھے کہ وہ پی این اے کے رہنماؤں کو بھٹو کے پاس بات چیت کے لئے لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" یہ انکشاف خود سردار عبدالقیوم نے انٹر کانٹی نینٹل کے ایک کمرے میں آن دی ریکارڈ اور آف دی ریکارڈ باتیں کرتے ہوئے کیا جہاں وہ پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے ٹھہرائے گئے تھے۔ سردار صاحب نے کہا کہ اب اس قسم کے مضحکہ خیز قسم کے الزامات لگائے جاتے ہیں اور اس قسم کی غلط معلومات حکومت کو فراہم کی جاتی ہیں جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مختلف معاملوں پر حکومت کی معلومات کیا ہوں گی۔ سردار صاحب نے اپنی وضاحت پیش کرتے ہوئے کہا کہ بھٹو کی طرف سے یہ پیشکش مفتی محمود صاحب کو کی گئی تھی۔ اس وقت نواب زادہ نصر اللہ خان اور وہ خود وہاں بیٹھے تھے۔ بھٹو کا خیال تھا کہ ایک بار پھر مختلف جیلوں میں نظر بند پی این اے کے رہنماؤں کو سہالہ لایا جائے، مگر مفتی صاحب کو یہ بات پسند نہیں تھی ان کا کہنا تھا کہ کوئی صاحب جا کر مختلف جیلوں میں پی این اے کے رہنماؤں سے مشورے کریں۔ مفتی صاحب خود جانے کے لئے تیار نہیں تھے۔ نواب زادہ صاحب نے بھی یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "میں ابھی اپنے آبائی قصبہ سے آیا ہوں۔ اور کافی تھک گیا ہوں۔" اس طرح سے ساری ذمہ داری مجھ پر آ پڑی۔ سردار قیوم صاحب نے شکایت کی کہ موجودہ حکومت بیوروکریسی کی فراہم کردہ معلومات پر چل رہی ہے جس پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہوئے سردار صاحب نے بتایا کہ حال ہی میں پی این اے کے ایک رہنما موجودہ وزیر خزانہ غلام اسحاق خان سے شکایت کر رہے تھے کہ بجٹ کے بعد کئی چیزوں کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں مگر اسحاق خان نہیں مان رہے تھے اور آخر

مفتی محمود، پروفیسر غفور، نورانی

انہوں نے اپنی بات کے ثبوت میں دراز سے ایک فائل نکال کر پی این اے کے رہنماؤں سے کہا کہ "میرے سامنے حالیہ قیمتوں کی رپورٹ پڑی ہوتی ہے، آپ خود دیکھ لیجئے اور تسلی کیجئے کہ قیمتوں میں اضافہ نہیں ہوا ہے۔" یہ دیکھ کر پی این اے کے یہ رہنما دل ہی دل میں ہنسنے لگے کہ اب انہیں کون سمجھائے کہ عوام پر کتنا بوجھ بڑھ گیا ہے۔ سردار صاحب نے موجودہ حکمرانوں کو بنیادی طور پر ریاضی داں قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ فوجی لوگ ریاضی میں یقین رکھتے ہیں کہ ۲+۲=۴ ہوتے ہیں۔ حالانکہ مختلف عوامل کی وجہ سے عدد کبھی بڑھ کر ۱۶ تو کبھی گھٹ کر صفر رہ جاتا ہے مگر یہ لوگ ۴ پر ہی یقین کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ سیاستدانوں کو حکومت میں شامل ہو جانا چاہئے۔ سردار صاحب نے فوری طور پر انتخابات کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے ایک نیا نظریہ پیش کیا کہ موجودہ حکومت کے دونوں ہاتھ جس "پریشر" کو روکے ہوتے ہیں وہ دور ہو تو حکومت انتخابات کرائے۔ اگر یہ پریشر دور ہوئے بغیر حکومت انتخابات کی طرف توجہ دیتی ہے تو پورا "پریشر" ان کے اوپر گر پڑے گا۔ اس "پریشر" کی کوئی مزید وضاحت کئے بغیر سردار صاحب نے فقط اتنی نشاندہی کی کہ یہ پریشر "اندرونی" ہے۔ سردار صاحب کا خیال تھا کہ موجودہ حکمران کافی الجھے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک مثال دیتے ہوئے سردار صاحب نے انکشاف کیا کہ "میں نے ایک مسلم ملک کے سفیر سے گذارش کی کہ وہ فلاں معاملے کے بارے میں ہماری حکومت سے بات کریں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں تو اپنی حکومت کو تیار کر لوں گا مگر آپ کی حکومت کے کس صاحب سے بات کی جائے۔

پی۔ این۔ اے کا ذکر کرتے ہوئے سردار قیوم صاحب نے کہا کہ پی این اے کے فیصلے سے پہلے حکومت میں شمولیت کے بارے میں مسلم لیگ کو قدم نہیں اٹھانا چاہئے تھا، اس سے پی این اے کے لئے مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ یہ صحیح ہے کہ اس وقت پی این اے بدنام ہو چکی ہے اور پہلے والی حیثیت نہیں مگر پھر بھی انہوں نے دعویٰ کیا کہ اس وقت بھی پی این اے کا وجود کئی باتوں کے سلسلے میں رکاوٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ پی این اے کی انتظامیہ کونسل کے آئندہ اجلاس میں یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ اس مرحلہ پر پی این اے حکومت میں شمولیت اختیار کرے گی یا نہیں۔ ویسے انہوں نے بتایا کہ پی این اے کی ایک جماعت مسلم لیگ تو حکومت میں شامل ہو چکی ہے، اس کے علاوہ باقی دو جماعتوں جماعت اسلامی اور جمعیت العلمائے اسلام بھی حکومت میں شامل ہو سکتی ہیں۔ باقی جماعتیں شامل ہونا نہیں چاہتیں یا ان کے پاس ایسے نمائندے نہیں ہیں

دوسری طرف پی این اے کے رہنما مولانا مفتی محمود ابھی تک ہسپتال میں ہیں۔ ہسپتال میں ان سے سی ایم ایل اے جنرل محمد ضیاء الحق ، جماعت اسلامی کے میاں طفیل محمد، پروفیسر غفور احمد اور فوجی حکومت کے وزیر چودھری ظہور الٰہی مل چکے ہیں۔ جنرل صاحب نے ملاقات کے دوران حکومت میں پی این اے کی شمولیت کے بارے میں اپنی پرانی پیش کش دہرائی اس سلسلے میں مفتی صاحب میاں طفیل محمد اور پروفیسر غفور احمد سے صلاح مشورے کر چکے ہیں۔ مسلم لیگ کے پیر صاحب پگارا بھی آج کل میں مفتی محمود صاحب سے ملاقات کریں گے جس میں پی این اے کی انتظامی کونسل کے اجلاس منعقد کرنے کے سلسلے میں تاریخ اور جگہ کا تعین کیا جائے گا جس میں جنرل صاحب کی پیشکش، پی این اے کی تائید کے بغیر حکومت میں شمولیت کے سلسلے میں مسلم لیگ کا فیصلہ اور پی این اے سے الگ ہونے کے بارے میں جمعیت العلمائے پاکستان کے اقدام پر غور کیا جائے گا۔

باخبر ذرائع کے مطابق پیر صاحب پگارا، مفتی محمود کے ساتھ ملاقات کے دوران اور پی این اے کے آئندہ اجلاس میں کافی سخت موقف اختیار کریں گے۔ ان ذرائع کے مطابق پیر صاحب نے حال ہی میں پیر جو گوٹھ میں جمعیت العلمائے پاکستان کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی کے ساتھ بہت اہم "ملاقات" کی ہے جس کے بعد وہ خود کو کافی مضبوط محسوس کر رہے ہیں۔

دوسری طرف مولانا مفتی محمود کے کمرے کے باہر جمعیت العلمائے اسلام کے دوسرے درجے کے رہنما کافی دلچسپ تبصرہ کرتے ہوئے پائے گئے۔ ایک صاحب نے اتحاد کے مستقبل کے بارے میں کہا کہ جن لوگوں نے بنوایا تھا وہی لوگ اسے اپنا مقصد نکالنے کے بعد تڑوا رہے ہیں۔ جمعیت العلمائے پاکستان کے الگ ہونے پر ان صاحب نے کہا، انہی لوگوں کے اشارے پر جمعیت اتحاد سے الگ ہوئی ہے۔

جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے تو جہاں اس کا ایک گروپ صوبائی حکومتوں میں شمولیت کے سلسلے میں اثر و رسوخ استعمال کر رہا ہے۔ وہاں دوسرا گروپ ملک قاسم، خواجہ خیر الدین وغیرہ پر مشتمل مسلم لیگ کی

جنرل کونسل کا اجلاس طلب کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ مسلم لیگی حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ جنرل کونسل کی اکثریت کی حمایت اس گروپ کو حاصل ہے اس وجہ سے پیر صاحب پگارا اور چودھری ظہور الٰہی گروپ جنرل کونسل کا اجلاس طلب کرنے کی اجازت کبھی نہیں دے سکتے۔ بہر حال ملک قاسم نے اس سلسلے میں اجازت حاصل کرنے کے لئے سی ایم ایل اے صاحب ان کو اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔ خیال ہے کہ اگر اجازت نہیں ملی تو مسلم لیگ پھر دو دھڑوں میں تقسیم ہو جائے گی۔

پہلی اسلامی ایشیائی کانفرنس

نمائندہ خصوصی

جماعت اسلامی کی ایشیائی کانفرنس

میزبان حکومتِ پاکستان

روس میں مذہب پر کوئی پابندی نہیں
خالوف

پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس کا سہ روزہ اجلاس انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں شروع ہوا اور ختم ہوگیا مگر پاکستان کے عوام کے ذہنوں میں یہ کانفرنس کئی الجھنیں پیدا کر گئی ہے جو ابھی تک جوں کی توں موجود ہیں کانفرنس کے انعقاد سے پہلے حکومت اور سرکاری اداروں کی طرف سے یہ تاثر دیا گیا کہ یہ ایک انتہائی اہم کانفرنس ہو گی جو بھٹو دورِ حکومت میں منعقد کی گئی اسلامی سربراہی کانفرنس سے کم اہمیت کی حامل نہیں ہو گی۔ تاثر یہ تھا کہ اس کانفرنس میں ایشیا کے مسلم ملک سرکاری طور پر شرکت کر رہے ہیں۔ مگر جب کانفرنس کے انعقاد سے ایک دو دن پہلے کانفرنس کے بارے میں مذہبی معاملات والے وزیر مسٹر اے کے بروہی نے پریس کانفرنس کی تو کانفرنس کے بارے میں ایک مختلف تشکل سامنے آئی۔ بروہی صاحب کی پریس کانفرنس کئی لحاظ سے دلچسپ اور معلومات سے بھرپور تھی۔

پاکستان کے عوام کو یہ تاثر دیا گیا کہ یہ کانفرنس اپنے سلسلے کی پہلی کانفرنس تھی، جو اس کے نام "پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس" سے عیاں تھی جبکہ بروہی صاحب نے بتایا کہ یہ اپنے سلسلے کی آخری کانفرنس تھی۔ یہ کانفرنس علاقائی اسلامی کانفرنس کے ایک سلسلے کی چھٹی اور آخری کانفرنس تھی۔ اس سے پہلے اس قسم کی کانفرنس دنیا کے مختلف حصوں یورپ افریقہ نارتھ امریکہ اور ساؤتھ امریکہ وغیرہ میں ہو چکی ہیں بروہی صاحب نے اخباری نمائندوں کے سوالوں کے جوابات دینے سے پہلے کوئی ایک گھنٹے تک کانفرنس اور اسی قسم کی کانفرنسیں منعقد کرنے والی تنظیم مسلم ورلڈ آرگنائزیشن اور رابطہ عالم اسلامی کا تفصیلی تعارف کرایا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اس کانفرنس میں شرکت کرنے والے ۲۵ ملکوں کے مندوبین ان حکومتوں کے سرکاری نمائندے نہیں بلکہ ان ملکوں کی مختلف مذہبی تنظیموں کے نمائندے ہوں گے اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کانفرنس مختلف تنظیموں کا اجلاس ہے۔

جب سوالات شروع ہوئے تو بروہی صاحب آئندہ سوالات کے جواب یہ کہہ کر ٹال گئے کہ یہ کانفرنس رابطۂ عالم اسلامی منعقد کرا رہی ہے حکومت تو محض کانفرنس کی میزبان ہے ہم سے تو کانفرنس کے سلسلے میں کئے گئے انتظامات کے بارے میں پوچھیے! جب بروہی صاحب یہ کہہ رہے تھے تو ایک اخباری نمائندے نے دوسرے کے کان میں کہا کہ اگر آپ کا تعلق فقط انتظامات سے تھا تو۔ رابطۂ عالم اسلام کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے کیوں ملائے جا رہے تھے؟" ایک سینئر صحافی نے بروہی صاحب سے پوچھا کہ یہ شکایتیں موصول ہو رہی ہیں کہ کانفرنس میں فقط ایک مکتبۂ فکر کے علماء کو مدعو کیا گیا ہے جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ مختلف مکاتب فکر کے علماء کو مدعو کیا جاتا کیونکہ اس کانفرنس کے انتظامات پر حکومت خطیر رقم خرچ کر رہی ہے بروہی صاحب کا وہی جواب تھا کہ مدعو کرنے والے ہم نہیں بلکہ رابطۂ عالم اسلامی والے ہیں ہمارا تعلق تو فقط انتظامات سے ہے۔ واضح رہے کہ جمعیت علمائے پاکستان بھی اس بات پر احتجاج کر چکی تھی کہ اسلامی کانفرنس میں فقط ایک مکتبۂ فکر کے علماء کو مدعو کیا گیا ہے جبکہ مولانا مفتی محمود نے بھی یہ شکایت کی کہ انہیں بھی اس کانفرنس میں شرکت کے لئے مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ پاکستان میں فقط ایک سیاسی جماعت کے سربراہ میاں طفیل محمد کو مدعو کیا گیا تھا۔ میاں صاحب کے علاوہ جماعت اسلامی کے اور رہنماؤں کو بھی مدعو کیا گیا تھا جن میں پروفیسر خورشید اور وصی مظہر ندوی قابلِ ذکر ہیں اس کے علاوہ ہندوستان اور بنگلہ دیش سے جن مندوبین کو مدعو کیا گیا ان میں بھی اکثریت جماعت اسلامی ہند اور بنگلہ دیش جماعت اسلامی کے رہنماؤں کی تھی جن میں امیر جماعت اسلامی ہند مولانا یوسف اور ہندوستان میں جماعت اسلامی کے ترجمان اخبار دعوت کے ایڈیٹر بھی شامل تھے۔ اس طرح اس کانفرنس کے ذریعے ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش جماعت اسلامی کے رہنماؤں کو ایک جگہ اکٹھا ہونے اور مشورے کرنے کا موقعہ مل گیا۔ کچھ لوگوں نے تو یہاں تک بتایا ہے کہ انٹرکانٹی نینٹل کے اس کمرے میں جہاں میاں طفیل محمد کو ٹھہرایا گیا تھا جماعت اسلامی ہند جماعت اسلامی پاکستان اور جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے رہنماؤں کا ایک مشترکہ اجلاس ہوا جس میں کئی اہم امور پر غور کیا گیا اور کئی اہم فیصلے بھی کیے گئے۔ اس قسم کی اطلاع دینے والے ذرائع نے بتایا ہے کہ اس اجلاس کے سلسلے میں انتہائی رازداری برتی گئی بہر حال بروہی صاحب کی پریس کانفرنس کا ذکر ہو رہا تھا۔ ان سے ایک اور سوال کیا گیا کہ کیا مسلم اقلیتوں کے معاملات والی کمیٹی میں ہندوستان میں مسلم اقلیتوں کو درپیش مشکلات پر بھی غور کیا جائے گا؟ تو بروہی صاحب نے وہی جواب دیا کہ آپ انتظامات کے بارے میں سوالات پوچھیے۔ آخر کار ایک اخباری نمائندے نے سوال کر ہی دیا کہ کانفرنس کے سلسلے میں کتنے اخراجات آنے کا اندیشہ ہے۔ مگر بروہی صاحب نے اس سوال کا بھی خاطر خواہ جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ کچھ اخباری نمائندے یہ سوال بھی پوچھنا چاہتے تھے کہ آیا کانفرنس میں کشمیر کے مسئلے پر غور کیا جائے گا یا نہیں مگر انہوں نے یہ دیکھ کر یہ سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ بروہی صاحب انتظامات کے بارے

میاں طفیل نے جماعت اسلامی ہند اور بنگلہ دیش
کے سربراہوں کے اجلاس کی صدارت کی

بھی سوالوں کے جواب دینے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ بہر حال بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ کانفرنس کی ایک کمیٹی میں کشمیر کے مسئلے پر بحث ہوئی اور اس سلسلے میں ایک قرارداد بھی پاس کی گئی ہمیں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ کشمیر کے مسئلے پر بہت زوردار بحث ہوئی اور سردار عبدالقیوم بھی مندوب کی حیثیت ہی کانفرنس کے شرکاء میں شامل تھے زبردست دھواں دھار تقریر کی۔ مولوی صاحب نے مطالبہ کیا کہ کشمیر کے بارے میں وعدوں پر عمل درآمد کرنے تک مسلم ممالک ہندوستان پر اقتصادی پابندیاں لگا دیں۔ سردار صاحب اس سلسلے میں ایک قرارداد بھی پیش کرنے والے تھے مگر بعد میں کچھ اسباب کی وجہ سے یہ قرارداد پیش نہیں کی گئی۔ ہم نے اس سلسلے میں جب سردار صاحب سے معلوم کیا تو انہوں نے تسلیم کیا کہ وہ یہ قرارداد پیش کرنا چاہتے تھے، بقول ان کے اگر وہ پیش کرتے تو بڑی اکثریت سے پاس ہو جاتی مگر فی الحال پیش کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ بہر حال انہوں نے اس کی وضاحت نہیں کی۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ متعلق کمیٹی میں کشمیر کے بارے میں جب اس قسم کی تجویز کی بات کی گئی تو ہندوستان کے وفد نے اس تجویز کا سخت نوٹس لیا اور ایسا ٹھوس موقف اختیار کیا جو ہندوستان کی حکومت سے بھی دو قدم آگے تھا۔ بعد میں سردار قیوم صاحب نے بھی اس بات کی تصدیق کی اور بتایا کہ ہندوستان کے ڈیلیگیٹ کا رویہ واقعی خطرناک تھا۔

اے کے بروہی صاحب نے اپنی پریس کانفرنس میں اخباری نمائندوں سے اپیل کی تھی کہ وہ اس کانفرنس کا امیج پروجیکٹ کرنے میں تعاون کریں کچھ اخباری نمائندے بڑے صدقِ دل سے بروہی صاحب کی اپیل پر عمل درآمد کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے مختلف مندوبین سے مل کر ان سے انٹرویو کرنے کی کوشش کی اس سلسلے میں کچھ اخباری نمائندوں نے امریکی وفد، افغان روس اور دوسرے کچھ ملکوں کے وفود کے سربراہوں سے انٹرویو کرنے کی کوشش کی مگر انہیں سختی سے روک دیا گیا کہ کوئی بھی انٹرویو پی آئی ڈی کی اجازت کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ اس طرح اخباری نمائندوں کو بروہی صاحب کی اپیل پر عمل کرنے سے روک دیا گیا۔ اگر کوئی نمائندہ انٹرویو کر سکتا تھا تو وہ جسارت کا نمائندہ تھا۔ بلکہ یوں لگتا تھا کہ اس مقصد کے لئے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں جسارت کا ایک الگ یونٹ قائم کر دیا گیا تھا جس کی نگرانی اخبار کے ایڈیٹر مولوی صلاح الدین خود کر رہے تھے

کانفرنس میں شرکت کرنے والے روسی وفد کے قائد اور روسی ازبکستان کے مفتی اعظم ضیاء الدین باباخانوف نے ایک پریس کانفرنس کی جو کافی معلومات افزا تھی۔ اس پریس کانفرنس کا ایک پہلو یہ تھا ایک کیپٹن قسم کے حضرت پورا وقت پریس کانفرنس کے دوران موجود رہے۔ اس کے علاوہ پریس کانفرنس

جسارت کا ایک یونٹ
صلاح الدین کی نگرانی
میں کام کر رہا تھا

کے دوران دو ایسے صاحبان کو پریس کانفرنس میں لایا گیا۔ جن کا کراچی یا پاکستان کی پریس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان میں ایک صاحب ہندوستان میں جماعت اسلامی کے ترجمان اخبار دعوت کے ایڈیٹر صاحب اور دوسرے صاحب بنگلہ دیشی وفد کے جماعت اسلامی کے ایک رکن تھے۔ اس کے علاوہ وہ مولانا حضرت ایک "لڑکے" کو بھی ساتھ لا کر پریس کانفرنس میں بیٹھ گئے جس کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ کا نمائندہ ہے اور اسے کانفرنس کو کوریج دینے کے لئے خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کانفرنس کو کور کرنے کے لئے خود کراچی کے کئی اخبارات کے نمائندوں کو مدعو نہیں کیا گیا تھا خاص طور پر سندھی اخبارات کو نامعلوم اسباب کی بنا پر بالکل بلیک لسٹ کیا گیا تھا اور کسی سندھی اخبار کے نمائندے کو کانفرنس کی کارروائی کور کرنے کے لئے مدعو نہیں کیا گیا تھا۔

بہر حال باباخانوف کی پریس کانفرنس کا ذکر ہو رہا تھا۔ باباخانوف نے بڑی تفصیل سے بتایا کہ روس میں اسلام اور مسلمانوں پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے اس سلسلے میں جتنا بھی پروپیگنڈہ کیا گیا ہے وہ غلط ہے پریس کانفرنس جاری تھی کہ دعوت کے ایڈیٹر صاحب نے انتہائی غصّے کے عالم میں سوال کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ روس میں مسجدوں پر تالے پڑے رہتے ہیں؟" باباخانوف نے جواب دیا کہ یہ سراسر جھوٹ ہے روس میں جہاں بھی ۲۰ - ۲۵ مسلمان ہوں وہ مسجد بنا کر وہاں نماز وغیرہ پڑھ سکتے ہیں ہندوستانی جماعتی صحافی اِدھر اُدھر جھانکنے لگے مگر کچھ رُک کر کہنے لگے۔ آپ کہتے ہیں کہ روس میں اسلام پر کوئی پابندی نہیں تو پھر ہمارے ملک ہندوستان میں روسی سفارتخانے کے مسلم سفارتکار کیوں کبھی بھی نماز پڑھنے کے لئے مسجدوں میں نہیں دیکھے گئے اس سوال پر موجود صحافیوں کا ایک قہقہہ پھوٹ پڑا اور انہوں نے ہندوستان سے آئے ہوئے جماعتی صحافی سے کہا کہ پاکستان اور ہندوستان میں کتنے مسلمان ایسے ہیں جو نماز نہیں پڑھتے پھر ان کے خلاف یہ حکومتیں کیا اقدامات کرتی ہیں۔ مگر ہندوستانی مولانا اب اسلام کی بات چھوڑ کر عیسائی مذہب کی بات کرنے لگے اور پوچھا اچھا یہ بتایئے کہ عیسائیت کو آزادی ہے۔ باباخانوف نے پھر انہیں انتہائی خوش دلی سے جواب دیا کہ روس میں آئین کے تحت کسی مذہب پر پابندی نہیں ہے روس میں ریاست مذہب میں مداخلت نہیں کرتی کیونکہ روس میں مذہب اور سیاست الگ الگ ہیں۔" اردو ڈائجسٹ کے نمائندے نے پوچھا کہ کیا روس میں عیدالاضحیٰ پر مسلمان قربانی کرتے ہیں؟" تو مفتی صاحب نے بتایا کہ نہ صرف مسلمان قربانی کرتے ہیں بلکہ پڑوسی میں قربانی کا گوشت بانٹا بھی جاتا ہے۔

ڈاکٹر غلام حسین

سیکرٹری جنرل پاکستان پیپلز پارٹی
سے غیر رسمی بات چیت

کارکنوں کے لئے ایک پُر مسرّت لمحہ آنے والا ہے

کوثر نیازی کا معافی نامہ بھی مسترد کر دیا جائے گا

محمد افضل جنجوعہ

گذشتہ روز حاجی احسان اور میں منڈی بہاؤالدین کی کھلی کھلی سڑکوں پر ان کی سرخ رنگ کی ٹویوٹا کرولا دوڑاتے پھر رہے تھے کہ حاجی صاحب کے دوست ٹھیکیدار محمد رفیق سے باتوں باتوں میں پتہ چلا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر غلام حسین ان دنوں منڈی بہاؤالدین میں ہیں۔

میں نے نمبر 533 ڈائل کیا اور ڈاکٹر صاحب سے حال احوال پوچھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ ارے یار اگر ہمارے قصبے میں آئے ہی ہوئے ہو تو پھر فون کو بیچ میں کیوں لاتے ہو۔ آٹھ بجے کے بعد کسی بھی وقت گھر پر چلے آؤ۔ دل کھول کر باتیں کرینگے۔

جمعہ کا دن تھا رات کے ساڑھے آٹھ بج چکے تھے مطلع ابر آلود تھا زور دار بارش متوقع تھی ہم واپس گوجرانوالہ پہنچا تھا۔ تھوڑی سی لیت و لعل کے بعد حاجی احسان نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنی کار کا رخ پاکستان پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر غلام حسین کی رہائش گاہ کی طرف موڑ دیا گیٹ کھلا تھا ڈاکٹر صاحب ہمارے منتظر تھے۔ ملاقاتی آداب کے رسمی جملوں کے بعد غیر رسمی بات چیت شروع ہو گئی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر غلام حسین نے کہا ایک جمہوری ملک کے آزاد شہری ہونے کے ناطے سے پاکستان کے لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کو خود اپنی مرضی سے چُنیں، فوجی، مخلوط اور سول حکومت کے نام پر وزارتوں کی تقسیم کے لئے مذاکرات کا ناٹک ختم ہوا اب فوجی حکومت کے ناظم اعلیٰ نے اپنی کابینہ کے ارکان کا چناؤ کر لیا ہے نامزدگیاں خواہ کسی بھی نام پر کی جائیں نامزدگیاں ہی ہوتی ہیں عوام کے سیاسی حقوق کو نظر انداز کر کے وزارتوں کے لئے نامزدگی کا پروگرام مناسب نہیں ہے دنیا کی نظر میں ہم سیاسی مسخرے بن کر رہ جائیں گے ملک پہلے ہی بحرانوں میں گھرا ہوا ہے وزارتوں کی من پسند تقسیم سے معاملات اور بھی الجھ جائیں گے۔ نامزد وزراء میں نہ تو مقاصد کی ہم آہنگی ہوگی اور نہ ہی ان وزراء کو عوام کی تائید و حمایت حاصل ہوگی۔ انہوں نے کہا فوجی حکومت کو سیاستدانوں کے تعاون کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے بہتر یہی ہے کہ مسلح افواج اپنے وعدہ کے مطابق منصفانہ، آزادانہ اور دیانتدارانہ انتخابات کرا کے اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کر دیں۔ نوے دن کب کے گذر چکے۔ انہوں نے کہا کہ کوئی بھی حکومت ملک کے لوگوں کے حقیقی تعاون کے بغیر مسائل سے نہیں نپٹ سکتی۔ ہمیں تاریخی حقیقتوں کو فراخدلی سے قبول کر لینا چاہیئے۔

ڈاکٹر غلام حسین نے غیر رسمی بات چیت جاری رکھتے ہوئے کہا۔ کوثر نیازی اور ان کے حواری دراصل مفاد پرستوں اور جعلسازوں کا ٹولہ ہے جن کا آخری ٹھکانہ اب سیاسی قبرستان ہی ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو افراد اپنے ذاتی مفادات کے پیش نظر مخصوص اشاروں پر پیپلز پارٹی کو سبوتاژ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں وہ منہ کی کھائیں گے۔ وہ نہیں جانتے کہ پیپلز پارٹی کی جڑیں عوام

کے دلوں میں ہیں۔

پی پی پی کے جنرل سیکرٹری نے جناب ذوالفقار علی بھٹو اور بیگم نصرت بھٹو کی قیادت پر اپنے غیر متزلزل یقین کا اظہار کرتے ہوئے کہا ذوالفقار علی بھٹو پاکستان پیپلز پارٹی کے تاحیات منتخب چیئرمین اور بیگم نصرت بھٹو ہماری پارٹی کی قائمقام چیئرمین ہیں کوثر نیازی کا پیپلز پارٹی سے صرف اتنا ہی تعلق ہے کہ اسے پارٹی سے نکالا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا پیپلز پارٹی کا یہ جعفر صادق اپنے آپ کو پاکستان پیپلز پارٹی کا چیئرمین بنا کر پیش کرنے لگا ہے اس شخص نے پیپلز پارٹی کی پیٹھ میں جو خنجر گھونپنے کی ناکام کوشش کی ہے اس کی بناء پر اس کا پارٹی میں دوبارہ قبول کیے جانے کا قطعاً کوئی امکان نہیں باقی رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ چالباز مولوی کو نہ صرف پارٹی کارکنوں نے ہی بری طرح دھتکار دیا ہے بلکہ پاکستان کے عوام بھی ایسے گندے انڈے اور سڑے ہوئے ٹماٹر مارنے کے لیے بے چین ہیں انہوں نے کہا کہ اب اس کی چرب زبانی اور اس کا سازشی ذہن بھی اسکے کسی کام نہیں آسکے گا۔

انہوں نے کہا کہ سیاستدانوں کی حیثیت سے موجودہ فوجی حکمرانوں کے ساتھ میری کوئی ملاقات نہیں ہوئی البتہ مجھے کوٹ لکھپت جیل سے نکال کر راولپنڈی لے جایا گیا تھا اور وہاں ملزم کی حیثیت سے جنرل فیض علی چشتی اور دوسرے جرنیلوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا جہاں مجھ سے مختلف سوال پوچھے جاتے رہے۔ اسے ملاقات نہیں کہا جاسکتا۔ یہ تو میرے خلاف ایک طرح کی تحقیقات ہو رہی تھیں اور میری حیثیت زیر حراست مجرموں کی سی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ انہیں ستمبر ۱۹۷۷ء سے جنوری ۱۹۷۸ء تک پنجاب کی مختلف جیلوں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں قید رکھنے کے بعد یکم فروری ۱۹۷۸ء کو رہا کیا گیا کوٹ لکھپت جیل سے رہائی پانے کے بعد وہ سیدھے کراچی پہنچے۔ جہاں قائم مقام چیئرمین بیگم نصرت بھٹو کی صدارت میں سنٹرل کمیٹی کی میٹنگ جاری تھی۔

ڈاکٹر غلام حسین نے کہا میں پارٹی کی قائم مقام چیئرمین محترمہ بیگم نصرت بھٹو سے رابطہ قائم کر کے باقاعدہ رہنمائی اور مشورے حاصل کرتا رہا ہوں لیکن خواہش اور کوشش کے باوجود مجھے ابھی تک چیئرمین جناب بھٹو سے جیل میں ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیپلز پارٹی ختم ہو چکی ہے وہ سورج کو سیاہ چادرے ڈھانپنے کی کوشش کر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم کوئی دعویٰ تو نہیں کرتے لیکن اتنا ضرور کہیں گے اگر کسی کو کوئی زعم ہے تو انتخابات منعقد کرا کے دیکھ لے۔ پیپلز پارٹی کی مقبولیت میں کمی واقع ہو گئی ہے یا اس پارٹی کے ساتھ عوامی وابستگیوں میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو گیا ہے اس امر کا فیصلہ پاکستان کے باشعور عوام اپنے حق رائے دہی کے استعمال کے ذریعے خود ہی کرینگے۔ ذرا انہیں موقعہ تو ملنے دیجئے۔

انہوں نے کہا کہ ہم اپنے ملک اپنی قوم اور اپنی پارٹی کے روشن مستقبل کے لیے بہت زیادہ پر امید ہیں۔ ہم کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہیں ہماری رائے ملکی، بین الاقوامی اور گرد و پیش کے حالات اور واقعات کے حقیقت پسندانہ اور سائنٹیفک تجزیے

ڈاکٹر غلام حسین، افضل جنجوعہ سے گفتگو کر رہے ہیں

کا نتیجہ ہے انہوں نے کہا کہ پاکستان کے عوام اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے لیے ایک پر مسرت لمحہ آیا ہی چاہتا ہے جب انہیں اس لمحہ کی کچھ تفصیلات بتانے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے قہقہہ لگاتے ہوئے بات ٹال دی اور کہا کہ آخری فتح ہمیشہ سچائی کی ہی ہوا کرتی ہے انہوں نے کہا کہ حالات اور واقعات اور بدلتے ہوئے رویوں کا تجزیہ کر کے آسانی کے ساتھ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ میرے دوست اگر ایسا نہیں کر سکتے تو تھوڑا سا انتظار کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل نے اپنے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو دوسروں کی محنت کا استحصال نہیں کرتے بلکہ خود کما کر کھاتے ہیں انہوں نے کہا کہ ایک معالج کی حیثیت سے میں دنیا والوں کو اپنی خدمات پیش کرتا ہوں اور اس کے عوض روزی کماتا ہوں اس کے علاوہ میری آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے میری حیثیت ایک سفید کالر مزدور سے زیادہ نہیں ہے۔ انہوں نے کہا میں اپنی پیشہ وارانہ مہارت کے ذریعے دکھی انسانیت کی خدمت کرتا ہوں یہی میرا روزگار ہے انسانی خدمت ہی میری عبادت اور میری زندگی کا مقصد ہے ڈاکٹر صاحب نے کہا میں نے سیاست میں بھی اسی مقصد کے تحت قدم رکھا تاکہ ایک وسیع میدان میں انسانیت کی خدمت کر سکوں اب جبکہ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی ہے میں اسلام آباد یا پنڈی میں رہ کر کیا کرتا اس لیے واپس اپنے کلینک میں آگیا ہوں اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے سیاست سے منہ موڑ لیا ہے انہوں نے کہا کہ میں پارٹی ورکروں، لیڈروں اور عوام سے قانونی حدود کے اندر رہتے ہوئے باقاعدہ رابطہ رکھے ہوئے ہوں۔ میرے نزدیک ایک سیاستدان کے لیے آزمائش کے دور میں عافیت اندیشی سے کام لینا اور الگ ہو کر بیٹھ جانا بزدلی اور عوام سے غداری کے مترادف ہے میں ایک کسان گھرانے کا فرزند ہوں۔ محنت کشوں کے بچے بزدل نہیں ہوا کرتے اور نہ ہی کبھی محنت کشوں نے اپنی پیشانی پر غداری کا بدنما داغ لگنے دیا ہے انہوں نے کہا کہ کارکنوں کے دلوں میں بلاوجہ میرے متعلق شکوک و شبہات پیدا کیے جا رہے ہیں یہ کام پارٹی دشمنوں کا ہی ہو سکتا ہے

ڈاکٹر غلام حسین نے پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے عزم، ہمت اور حوصلے کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہمارے

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

چھوٹا منہ بڑی بات

ابو ضیا اقبال

عمر کوٹ کے قریب ایک اور موہنجوڈارو (جونیئر) دریافت ہوا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ وہاں ایک قریبی گاؤں میں ایک عدد انسانی ڈھانچہ پولیس کے ہاتھ لگا۔ ظاہر ہے کہ ڈھانچے خواہ انسانی ہوں یا حیوانی کسی نہ کسی تہذیب سے تعلق رکھتے ہی ہیں۔ اور یہ تہذیب یقیناً پرانی ہوتی ہے اور یوں انکشافات اور دریافت کا سلسلہ کسی نہ کسی موہنجوڈارو سے جا ملتا ہے جس کی مثالیں ان دنوں مذہب، ثقافت اور تہذیب کی نشاۃ ثانیہ میں کھلے عام ہیں۔

لیکن عمر کوٹ والے انسانی ڈھانچے کے بارے میں پولیس کی اطلاع یہ ہے کہ ایک شخص دو سال قبل اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اور باقاعدہ رضائی اوڑھ کر مر گیا (روزنامہ "مشرق" ۴ جولائی)۔ پھر دو سال بعد اس کی روح نے لوگوں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ اس پر پولیس مکان میں داخل ہوئی تو اس نے اس مکان کو موہنجوڈارو (جونیئر) پایا۔ سوال یہ نہیں ہے کہ متوفی کے پڑوسیوں یا پولیس کو دو سال تک ایک لاش کا علم کیوں نہ ہو سکا۔ سوال یہ بھی نہیں ہے کہ لاش سے تعفن کیوں نہ اٹھا۔ سوال صرف اتنا ہے کہ متوفی کی روح کو ڈھانچے کی نشاندہی کی زحمت کیوں دی گئی؟ دوسرا سوال اس روح سے ہے کہ اس نے لاش کی نشاندہی کیوں نہ کی اور اس کے ڈھانچہ بن جانے کا انتظار کیوں کیا؟ وجہ سمجھ میں یہ آتی ہے کہ سیاسی ڈھانچوں کو چلتے پھرتے، بولتے چالتے جسم ثابت کرنے کے اس دور میں متوفی کی روح نے بھی حسبِ توفیق فائدہ اٹھایا کیونکہ اس سے پہلے جبر و استبداد کے دور میں اس کی بھی زبان بند تھی۔

"نوائے وقت" کے ۴ جولائی کے شمارے میں صفحہ اول پر ایک کارٹون ہے۔ اس میں ایک ٹیلر ماسٹر صاحب جو "سیاسی ٹیلرنگ ہاؤس" کے مالک بتائے گئے ہیں اپنے گاہک کو جن کے بریف کیس سے ان کا سیاستدان ہونا ثابت ہوتا ہے، کاروباری مشورہ دے رہے ہیں۔ کہ شیروانیاں تو سلوا لیں۔ اب ایک برقعہ بھی بنوا لیجئے۔ وزیر نہ بنے تو منہ چھپانے کے کام آئے گا۔

کارٹونسٹ جناب جاوید اقبال کی وساطت سے ان ٹیلر ماسٹر صاحب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ شیروانی کی تو ایک مخصوص تراش ہے جو برسوں سے ایک سی ہے لیکن برقعے کی طرز اتنی بار بدلی ہے جتنی پتلون کی۔ آئے دن نئے طرز کا برقعہ سامنے آتا ہے۔ اور بیک وقت کئی شکلوں کے برقعے سڑکوں بازاروں میں نظر آتے ہیں۔ لہٰذا یہ طے کرنا ہوگا کہ سیاستدان گاہک کس طرز کے برقعے میں خود کو چھپاتے پھریں لیکن اگر ٹیلر ماسٹر صاحب کو بھی سیاست سے شغف ہے، تو انہوں نے بڑے نکتے کی بات کہی ہے۔ برقعے کا مشورہ بھی چادر اور چار دیواری کے احترام میں دے ڈالا اور برقعے کی طرز کا انتخاب بھی گاہک پر چھوڑ دیا کہ اس میدان میں اسے کچھ کہنے سننے کا حق نہیں ہے سیاستدان گاہک خود ہی اپنی مرضی کا بادشاہ ہے۔ البتہ ایک بات ضرور ہے کہ بیشتر برقعے منہ چھپانے کے لئے نہیں بلکہ رونمائی کے لئے ہوتے ہیں۔ منہ تو سوائے تمبو والے سفید برقعے کے، سارے برقعوں میں کھلا رہتا ہے۔ اس طرح تو بے چارہ برقعہ بھی وزارت سے محروم رہ جانے والے سیاستدانوں کے کام آنے سے رہا۔

اسرائیلی وزیراعظم مسٹر بیگن صدر کارٹر کے اس بیان سے ناراض ہیں کہ مشرقِ وسطیٰ کا معاملہ امریکہ کی کوششوں میں ناکامی کی صورت میں دوبارہ جنیوا کانفرنس میں پیش کیا جائے گا۔ (روزنامہ "امروز" ۴ جولائی) جب سے صدر کارٹر نے امریکہ اسرائیل دوستی کو اپنی مذہب پرستی اور انسان دوستی کی بنا پر ایک نئے ڈھب پر ڈالا ہے، ان دونوں ملکوں کے مابین اکثر میٹھی سلونی چپقلش ہوتی رہتی ہے جو اسرائیل کی آزادانہ حیثیت کے لئے بھی ضروری ہے اور امریکہ کی فراخدلی کے لئے۔ کبھی بیگن صاحب میٹھی دھمکی دے بیٹھتے ہیں تو کبھی حضرت کارٹر سلونی جھڑکی دے ڈالتے ہیں۔ روٹھنا اور منانا تو محبت کی بنیادی شرائط میں سے ہے۔ جو اس شرط پر کاربند نہ رہے اور نہ روٹھے اور نہ منائے جانے کی توقع رکھے اسے مکتبِ محبت سے بیک بینی و دو گوش باہر کر دیا جاتا ہے اسی لئے یہ شعر محبت کرنے والوں اور امریکہ اسرائیل پر صادق آتا ہے ؎

با من آویزشِ او الفتِ موج است و کنار
دم بہ دم با من و ہر لحظہ گریزاں از من

لاہور کے سپیرے محمد صدیق نے اعلان کیا ہے کہ اب وہ سانپوں کا بادشاہ کہلانے کا حقدار ہو گیا ہے۔ (روزنامہ "امروز" ۴ جولائی)۔ یہ خوشخبری انسانوں کے لئے یقیناً تقویت کا باعث ہے کہ ان کی برادری کا ایک فرد سانپوں کا بادشاہ بن گیا اور جناب محمد صدیق سپیرے بھی یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں لیکن انہوں نے اپنی رعایا کی اجمالی نشاندہی نہیں کی۔ سانپ کئی قسم کے ہیں۔ فی الحال تین کی تخصیص کافی ہے۔ ایک جنگلی سانپ۔ دوسرے وہ سانپ جن کے زہریلے دانت بازیگر نکال دیتے ہیں اور انہیں یوں بے ضرر بنا کر اپنی روزی کا ذریعہ بناتے ہیں تیسری قسم ان سانپوں کی ہے جو انسانوں کی آستینوں میں چھپے رہتے ہیں اور موقعہ ملتے ہی آستین والے کو ابدیت کی راہ دکھاتے ہیں۔ چنانچہ موصوف کو یہ ضرور بتانا چاہیئے تھا کہ وہ ان تینوں میں سے کس قسم کے سانپوں کے بادشاہ ہیں یا پھر تینوں قسموں کے ہیں۔ دوسری صورت موصوف کے لئے بے حد مفید رہے گی کہ ضرورت مندان کی وساطت سے اپنے دشمنوں کی آستینوں میں سانپ چھوڑا کریں گے جو اپنے بادشاہ کے حکم کے منتظر رہیں گے اور حکم ملتے ہی بزن! لیکن بہتر ہوگا کہ وہ عوامی نمائندوں کی حکومت تک انتظار کر لیں۔

بعض پودے ہر موسم میں سدا بہار رہتے ہیں اور ان پر سردی، گرمی یا باد و باراں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ آبیاری میں کمی بیشی بھی ان پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ روزنامہ "جسارت" نے ایک ایسے ہی پودے کا نام بتایا ہے (۴ جولائی) جو پی آئی اے کے گلشن میں لہلہا رہا ہے۔ اخبار نے اس کا نام اخلاق احمد انصاری بتایا ہے اور لکھا ہے کہ ۷۵، ۷۶ میں اس پودے کی دوسرے پودوں سے ترجیحاً آبیاری کی گئی اور یہ دوسروں سے نمایاں ہو کر لہلہانے لگا۔ مئی ۷۷، ۷۸ میں اسے مزید نمایاں کرنے کے لئے مزید آبیاری کی گئی جس سے اس کی شان پہلے سے دوبالا ہو گئی۔ یقیناً یہ پودا قسمت کا دھنی ہے جو خزاں اور بہار دونوں موسموں میں اپنا نکھار قائم رکھے ہوئے ہے اور نجانے کب تک رکھے گا۔

آپ کی تنقید میں میرے خلاف

شدید ناراضگی واضح طور پر مضمر تھی

بملاحظہ

مسٹر جسٹس انوار الحق
چیف جسٹس آف پاکستان اینڈ پریذیڈنٹ آف
پاکستان۔ راولپنڈی

جناب عالی!

لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے، جس میں مجھے سزائے موت اور سزائے قید دی گئی ہے، کے خلاف اپیل سپریم کورٹ آف پاکستان میں زیر سماعت ہے جس کے آپ چیف جسٹس ہیں۔ میں کوٹ لکھپت جیل لاہور کی موت کی کوٹھڑی سے یہ درخواست تحریر کر رہا ہوں اس استدعا کے ساتھ جسے میں نمایاں طور پر جائز اور معقول تصور کرتا ہوں۔ میں فکرمندانہ اور محتاط غور و خوض کے بعد یہ درخواست تحریر کر رہا ہوں۔

استدعا سادہ سی ہے۔ براہِ مہربانی ۲۰ مئی ۱۹۷۸ء کو جب میری اپیل پیش ہو تو سپریم کورٹ کی صدارت نہ فرمائیے میری درخواست کی فی الحال وجوہات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ آپ نے پارلیمنٹ کی طرف سے دستور میں کی جانے والی چھٹی ترمیم کو ناپسند کیا جس کے ذریعے آپ کے پیشرو نے اپنے عہدے کی میعاد میں توسیع پائی اور نتیجتاً چیف جسٹس آف پاکستان کے عہدے پر آپ کی ترقی میں تاخیر ہوئی۔ ہاں۔ قائدِ ایوان کی حیثیت سے میں پارلیمنٹ کی طرف سے دستور میں مندرج طریقہ کار کے مطابق دستور میں کی جانے والی اس ترمیم کا ذمہ دار تھا۔ آپ نے فیصلہ کیا ہے کہ دستور اب بھی ملک کا اعلیٰ ترین قانون ہے۔ ماسوا اس کے کہ آپ کے فیصلے کے مطابق ایک تنہا شخص عوام کی طرف سے کسی اختیار کے بغیر اس میں اپنی مرضی کے مطابق ترمیم کر سکتا ہے آپ نے درحقیقت اسے دستور کے خاکے کو یکسر تبدیل کرنے کا اور حقیقتاً "اسے مٹانے" کا اختیار دیا ہے۔ اس طرح اسے آپ کی طرف سے اجازت دی گئی ہے کہ عوام کے سامنے جوابدہ ہوئے بغیر غیر معینہ مدت کے لئے ملک پر انتہائی مطلق العنانہ انداز میں حکومت کرے۔ آپ نے اس فرد کو یہ اختیار دینا اس لئے ضروری تصور فرمایا کیونکہ آپ کے پیشرو نے اس عدالت کی صدارت کرتے ہوئے جنرل ضیاء الحق۔ دی چیف آف آرمی اسٹاف کے مارشل لاء کو چیلنج کرنے والی بیگم نصرت بھٹو کی درخواستوں کو سماعت کے لئے منظور کرنے کے ایک دن بعد دستور میں چھٹی ترمیم کو منسوخ کر دیا۔ اس دستوری ترمیم کو منسوخ کرنے کے بعد وہ اس قابل ہوا کہ آپ کے پیشرو مسٹر جسٹس محمد یعقوب علی کو غیر موزوں طور پر چیف جسٹس آف پاکستان کے عہدے سے ہٹا سکے اور آپ کو ان کی جانشینی کے لئے مقرر کر سکے۔ ایک چیف جسٹس اس بنچ پر کس حد تک اثر انداز ہو سکتے ہیں جس کی صدارت کر رہے ہوں، اس وقت ظاہر ہو گیا جب اسی بنچ نے آپ کی زیرِ صدارت اپنے چار روز قبل کے اس حکم کو منسوخ کر دیا جو مجھے اور میرے نظر بند رفقا کو درخواستوں کی سماعت کے لئے ملک کے مختلف حصوں سے راولپنڈی لانے کے بارے میں تھا۔ اس وقت بنچ کی صدارت آپ کے پیشرو نے کی تھی۔

۲: آپ کے چیف جسٹس کے عہدے پر فائز ہونے سے پہلے مجھے یقین ہے کہ سپریم کورٹ کے ججوں نے دستور کے "معطل کرنے والے" کا عطا کردہ تازہ حلف لینے سے انکار کیا تھا۔ لیکن آپ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے عہدے پر فائز ہونے کے بعد سپریم کورٹ کے تمام ججوں نے نیا حلف لینا فوری قبول کر لیا جس کا حکم جنرل ضیاء الحق نے دیا تھا۔

۳: آپ کے تقرر پر دیئے جانے والے ریفرنس کے موقع پر آپ نے مناسب تصور فرمایا کہ میری حکومت کے دوران دستور میں کی جانے والی ترامیم کے سلسلے میں میری انتظامیہ پر تنقید فرمائیں۔ جس میں میرے خلاف آپ کی شدید ناراضگی واضح طور پر مضمر تھی۔ اس طرح استنباطی طور پر آپ نے مسٹر جسٹس یعقوب علی کو ہٹانے اور آپ کو چیف جسٹس مقرر کرنے پر جنرل ضیاء الحق سے اپنی ممنونیت کا اظہار کیا۔ آپ نے ان کے طرزِ عمل کا بھرپور جواب بیگم نصرت بھٹو کی درخواست پر اپنے فیصلے کے ذریعے دیا۔ اس فیصلے کی رُو سے جنرل ضیاء الحق کو قوم کا نجات دہندہ قرار دیا گیا، ان کے مارشل لاء اور بغاوت کو "نظریۂ ضرورت" کے تحت جائز ٹھہرایا گیا اور دستور میں ترمیم کرنے کے لئے یک نفری پارلیمنٹ کے طور پر کام کرنے کے ان کے اختیار کی توثیق کی گئی۔ آپ دستور میں ترمیم کرنے کے ان کے اختیار کو ممکنہ طور پر روک نہیں سکتے تھے کیونکہ اس اختیار کے بغیر وہ دستور میں چھٹی ترمیم کو منسوخ

نہیں کر سکتے تھے جس نے چیف جسٹس آف پاکستان کی حیثیت سے آپ کے تقرر اور اس عہدے سے مسٹر جسٹس یعقوب علی کی علیحدگی کی راہ ہموار کی۔

۴: پھر چوتھی پاکستان جیورسٹ کانفرنس کے موقعے پر جس کا افتتاح جنرل ضیاء الحق نے کیا تھا۔ آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں میری حکومت پر تنقید کرنا موزوں خیال فرمایا۔

۵: اس سال ۲۳ اور ۲۴ جنوری کو کراچی میں بار ایسوسی ایشنوں سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کھلے بندوں میری حکومت اور پارٹی پر تلخ تنقید فرمائی آپ کس حد تک گئے کہ وکلا کو مشورہ دیا کہ وہ عوام کو "تعلیم دیں" تاکہ وہ مستقبل میں مجھ اور میرے رفقاء جیسے افراد کو دوبارہ برسرِ اقتدار نہ لائیں۔ (براہِ مہربانی اپنی تشفی کے لئے ریڈیو پاکستان کراچی میں اپنی تقریروں کے ٹرانسکرپٹ معائنہ فرمائیں۔ کیونکہ اخبارات نے ان تقریروں کو پوری طرح شائع نہیں کیا تھا میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی تقریروں کے ٹیپ چند غیر سرکاری افراد کے پاس بھی دستیاب ہوں گے)

۶: کہ آپ اور لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس مشتاق حسین کئی برسوں سے ایک دوسرے کے بہت ہی قریب رہے ہیں اور آپ دونوں جوش و خروش سے مارشل لا حکومت سے تعاون فرما رہے ہیں۔ اس بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔

کہ جب کہ سپریم کورٹ میں میری اپیل زیرِ سماعت ہے آپ نے جنرل ضیاء کی آپ کو قائم مقام صدرِ پاکستان بنانے کی پیشکش کو غیر مستحسن خجالت آمیز تصور نہیں فرمایا۔ کیا نظریۂ ضرورت کی وجہ سے یہ بھی ناگزیر تھا؟ ایسے نازک مرحلے میں جب کہ مارشل لا کا سیاہ سایہ پورے ملک اور اس سے زیادہ میری اپیل پر پھیلا ہوا ہے، ملک کے سربراہِ مملکت بن کر اور انتظامیہ کے ساتھ عملاً بھرپور طریقے پر اپنی وابستگی قائم کر کے آپ نے صدر اور چیف جسٹس کے عہدوں کو ملا کر ایک کر دیا ہے۔ مملکت کے بیچ رہنے والے دو اداروں۔ انتظامیہ اور عدلیہ۔ کو، عارضی طور پر ہی سہی، پوری طرح ضم کر کے آپ نے ملک کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

جنرل ضیاء الحق نے لاہور ہائی کورٹ میں میرے مقدمے کی کارروائی کو منصفانہ اور غیر جانبدارانہ کارروائی کہا ہے حالانکہ میں نے اپنی اپیل میں اس پر اعتراض کیا ہے اور ابھی سپریم کورٹ کو ان سوالات پر فیصلہ کرنا ہے۔ انہوں نے مجھے اس وقت "قاتل" کہا جب کہ میرا مقدمہ ہائی کورٹ میں زیرِ سماعت تھا۔ اب پچھلے دنوں سے وہ عالمی رہنماؤں سے کہہ رہے ہیں کہ مجھے سنائی جانے والی سزائے موت میں تخفیف کے انتظامی اختیارات استعمال کرنے کی اپیلیں اس بنا پر نہ کریں کہ معاملہ سپریم کورٹ میں زیرِ سماعت ہے۔

گو کہ اس انتظامی اختیار کا سپریم کورٹ میں زیرِ سماعت اپیل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر بھی انہیں کبھی خیال نہ آیا کہ میرے خلاف جھوٹے مقدمے میں جب کہ وہ ہائی کورٹ میں زیرِ سماعت تھا تعصب نہ پیدا کریں۔ یا پہلے سے فیصلہ نہ دیں۔

اس لئے۔ آپ اس بنچ میں نہ بیٹھ کر، اور اس مقصد کے لئے ججوں کا انتخاب نہ کر کے بلکہ جیسا کہ مارشل لا کے خلاف بیگم نصرت بھٹو کی درخواست سماعت کے وقت کیا گیا تھا، ایڈہاک ججوں سمیت پوری عدالت کو سماعت کی اجازت دے کر آپ پاکستان، عدلیہ اور خود اپنی خدمت انجام دیں گے۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید آپ خود مذکورہ بالا غیر متنازعہ اور معروف حقائق کے پیشِ نظر اس بنچ کی صدارت کو جو میری اپیل کی سماعت کر رہی ہے غیر منصفانہ اور پریشان کن پائیں گے۔ اس موضوع پر آپ سے عرض گزار ہونے پر میں اس لئے مجبور ہوا ہوں کہ مجھے آپ کی طرف سے ابھی تک کوئی ایسی علامت نظر نہیں آئی کہ آپ از خود میرے مقدمے میں اپیل کی سماعت سے قطع تعلق فرمائیں گے۔

۷ مئی ۱۹۷۸ء ۔ (ذوالفقار علی بھٹو)

درخواست گزار

موت کی کوٹھڑی۔ ڈسٹرکٹ جیل

کوٹ لکھپت۔ لاہور

بھٹو کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے اخباری انٹرویو سے متعلق درخواست

آپ نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا دفاع کیا ہے

۲۸ جون ۱۹۷۸ء

مسٹر جسٹس انوار الحق
چیف جسٹس آف پاکستان
معرفت سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی
جناب عالی!

پاکستان کے اخبارات مورخہ ۲۴ جون ۱۹۷۸ء میں آپ کے انٹرویو پر مبنی ایک انٹرویو شائع ہوا ہے جو کہا جاتا ہے کہ آپ نے انڈونیشیا کے ایک ممتاز روزنامہ "سینار ہارا پان" کو دیا تھا۔ اس رپورٹ کی بڑے پیمانے پر سرکاری ذرائع نشر و اشاعت ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی ویژن سے بھی تشہیر کی گئی۔

۲: لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے ایک اخباری انٹرویو کے بارے میں جو انہوں نے بی بی سی اور دوسرے غیر ملکی صحافیوں کو لاہور ہائی کورٹ میں کارروائی کے دوران دیا تھا، کے بارے میں میری شکایات کے بعد یہ یقین کرنا بہت مشکل تھا کہ آپ بھی ویسا ہی کریں گے جب کہ میری اپیل سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے۔ ایک ایسے وقت جب کہ میرے وکلاء نے سپریم کورٹ میں مقدمے کے متعلق آؤٹ لائن پیش کیا اور اس بات کی نشاندہی کی کہ عام قانونی روایات کے مطابق جج صاحبان مقدمہ کی نوعیت یا اس کے "منصفانہ" ہونے کا دنیا کے سامنے چرچا نہیں کرتے۔ ازراہِ مہربانی آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا تھا کہ سپریم کورٹ میں میری اپیل دائر کئے جانے کے بعد چند غیر ملکی صحافیوں نے لاہور میں آپ سے انٹرویو کے لئے کوشش کی۔ آپ نے ان سے ملاقات کی لیکن آپ بہت محتاط رہے اور اپیل کے کسی بھی پہلو پر کوئی تبصرہ کرنے سے گریز کیا تھا۔

۳: چنانچہ یہ توقع کی جاتی تھی کہ ایک غیر ملک میں جہاں مختلف ممالک کے قانون دان جمع تھے آپ بہت زیادہ ضبط و تحمل اور محتاط رہنے کا مظاہرہ کرتے لیکن اس کے بجائے آپ نے چیف جسٹس آف پاکستان کی حیثیت سے ذمہ داریوں پر اس بات کو ترجیح دی کہ آپ پاکستان کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے وکیل مختار اور سیاسی ترجمان بن جائیں۔

۴: ۲۴ جون ۱۹۷۸ء کے پاکستان ٹائمز راولپنڈی میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔

"اخبار کی رپورٹ کے مطابق جناب جسٹس انوار الحق نے مسٹر بھٹو کے خلاف بدسلوکی کی تردید کی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سی ایم ایل اے نے کبھی بھی ان کے رشتہ داروں کو جیل میں ان سے ملاقات کرنے سے نہیں روکا۔"

آپ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ میرے ساتھ بدسلوکی کا سوال سپریم کورٹ جس کی صدارت آپ نے کی تھی میں اپیل کی کارروائی کے چار ہفتوں کے دوران متعدد بار سپریم کورٹ کے نوٹس میں لایا گیا تھا۔ عدالت نے ازراہِ کرم مداخلت بھی کی اور حکام کو مناسب ہدایات بھی جاری کیں۔ عدالت میں حکام کی یقین دہانیوں کے باوجود بدسلوکی کا سلسلہ جاری رہا اور عدالت کے سامنے یہ معاملہ بار بار پیش کرنا پڑا۔ مارشل لاء حکومت جس کے لئے آئین سے حتیٰ کہ بنیادی پہلوؤں سے انحراف قانون بن چکا ہے، جیل مینوئل بنیادی اصولوں کی حیثیت اور اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ ۸۰ سال قبل برطانوی حکمرانوں کے بنائے ہوئے ان ضوابط سے انحراف یا اس کی شدت میں نرمی ناقابلِ برداشت ہے چاہے ان ضوابط سے بنیادی حقوق یا قیدیوں سے سلوک کے بارے میں اقوام متحدہ کے اعلانات کی صریح خلاف ورزی کیوں نہ ہوتی ہو۔ میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ کسی طرح بھی کسی دوسرے پاکستانی قیدی سے مختلف سلوک برتا جائے یا خود کو قانون سے بالاتر سمجھا۔ لیکن جس انداز میں مجھے جیل میں رکھا گیا ہے، نام نہاد حفاظتی اقدامات، اور توہین اور تذلیل جس کا مجھے شکار بنایا گیا ہے، یہ ایسے معاملات ہیں جن کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی قیدی دنیا میں کہیں بھی اتنی "توجہ" کا مرکز نہیں ہو سکتا تھا۔ جیل حکام کو، جیل مینوئل پر عمل درآمد کے معاملے میں اپنی صوابدید کو برتنے سے جو سی ایم ایل اے کے ماتحت ہیں فوجی افسروں نے بے بس کر رکھا ہے۔ موجودہ ملکی قانون کے تحت، فوجی حکام کے جیل مینوئل کے تحت جیل حکام کے فرائض میں مداخلت کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ کیا فوجی حکام مجھ جیسے حالات رکھنے والے ہر قیدی کے بارے میں انتظامات کی "نگرانی" کرتے ہیں؟ مجھے بار بار قانون کی نگاہ میں برابری کی یاد دہانی کرائی گئی ہے اور پھر ابھی میرے ساتھ دوسروں کے مقابلے میں بہت زیادہ "مساوی" سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔ دراصل فوجی حکام یہ کوشش کرتے رہے ہیں کہ میرا عزم ٹوٹ جائے اور میں ان کے سامنے ہتھیار ڈال دوں لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ اپنے مقصد کے حصول میں ابھی تک ناکام رہے ہیں۔ البتہ وہ مجھے جسمانی طور پر ختم کرنے کی کوششوں میں قریب قریب کامیاب نظر آتے ہیں۔

۵: آپ نے یہ فرما کر سی ایم ایل اے کا دفاع کیا کہ انہوں نے کبھی بھی میرے رشتہ داروں کو مجھ سے جیل میں ملاقات کرنے سے نہیں روکا ہے۔ کیا دنیا میں کہیں بھی سزائے موت کے قیدی کے قریبی خاتون اور مرد رشتہ داروں کو طویل مدت کے لئے حراست میں رکھا گیا ہے جیسا کہ میرے کیس میں کیا گیا ہے؟ جیل مینوئل کے ضوابط کے تحت سزائے موت کے قیدی کے رشتہ داروں اور دوستوں کو ہفتے میں کم از کم ایک بار ملاقات کی اجازت ہوتی ہے البتہ ہفتے میں ایک بار سے زیادہ ملاقات کی اجازت جیل سپرنٹنڈنٹ کی صوابدید پر ہوتی ہے۔ میری بیوی اور میری لڑکی سی ایم ایل اے کے حکم پر نظر بند ہیں، شاذ و نادر ہی ہفتے میں ایک بار مجھ سے ملاقات کے لئے لایا گیا۔ میری بہن کو متعدد درخواستوں کے باوجود دس مہینے کے دوران صرف دو بار ملاقات کی اجازت دی گئی۔ میرے دوسرے رشتہ داروں کو بھی ان کی متعدد درخواستوں کے

باوجود ملاقات کی اجازت نہیں دی گئی۔ اور کیا آپ پھر بھی یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ سی ایم ایل اے نے کبھی بھی میرے رشتہ داروں کو جیل میں مجھ سے ملاقات سے نہیں روکا۔

۶: آپ کے یہ کہنے کی بھی اطلاع دی گئی ہے کہ:۔
"مسٹر بھٹو کے خلاف کیس کا پاکستان کی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

اس بیان کے ذریعے آپ نے میرے ایک بنیادی موقف پر قبل از وقت فیصلہ دیا ہے جسے میرے وکیل نے اپیل کی سماعت کے پہلے دن ۲۰ مئی ۱۹۷۸ء کو سپریم کورٹ کے سامنے پیش کیا۔ مقدمے کا خاکہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے بیان کیا کہ:۔

"یہ ایک جھوٹا من گھڑت اور سیاسی محرکات پر مبنی مقدمہ ہے' ایک بین الاقوامی سازش کا معاملہ جس کا مسٹر ذوالفقار علی بھٹو شکار ہیں۔ انہیں ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو اقتدار سے ہٹایا گیا تھا۔ اور انہیں سیاسی اور جسمانی طور پر ختم کرنے کے لئے سازش قتل کے اس جھوٹے مقدمے میں پھنسایا گیا ہے۔"

اس وجہ پر میرے وکیل کو اپنے معروضات ابھی پیش کرنے ہیں۔ انہوں نے مقدمے کے بارے میں سماعت کرنے والی بنچ کے تیار کردہ ریکارڈ میں مندرج استغاثے کی کہانیوں کے بارے میں اپنی گذارشات پیش کی ہیں۔ میرے وکیل کے اس موقف اور انہیں سنے بغیر سپریم کورٹ کے ۹ ججوں پر مشتمل بنچ کی صدارت کرنے والے چیف جسٹس کسی غیر ملک میں یا کہیں اور یہ کہہ کر کس طرح استغاثے اور سی ایم ایل اے کے حق میں فیصلہ دے سکتے ہیں کہ میرے خلاف مقدمے کا پاکستانی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہائی کورٹ کے فیصلے کی توقع کے تحت یکم مارچ ۱۹۷۸ء سے پچھلے چار ماہ سے ملک میں سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی لگادی گئی ہے۔ ۲۵ جون ۱۹۷۸ء کو سی ایم ایل اے نے کہا کہ اگلے دو تین ماہ تک مکمل ممانعت جاری رہے گی۔ ظاہر ہے کہ میری اپیل پر سپریم کورٹ کے فیصلے کے ساتھ ساتھ۔ سیاسی وجوہ کی بنا پر میرے ہزاروں حامیوں کو جیلوں میں ڈالا گیا ہے اور بے رحمی کے ساتھ کوڑے لگائے گئے ہیں۔ پچھلے ۱۲ ماہ میں سی ایم ایل اے کی توجہ مجھ پر اور میری پارٹی پر مرکوز رہی ہے۔ یہ غیر جانبدارانہ مقدمے کی مسلمہ بات ہے۔ پھر بھی آپ فرماتے ہیں کہ میرے مقدمے کا پاکستانی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سی ایم ایل اے کو کیوں ضرورت پیش آئی تھی کہ میرے مقدمے کی سماعت کے دوران ہائی کورٹ میں میرے مقدمے کی کارروائی کو نقصان پہنچانے اور اس پر اثر انداز ہونے کے لئے مکان کی چھت پر چڑھ کر چلائیں کہ میں "قاتل" تھا۔

مارشل لا کی دہشت کے تحت' دہشت زدہ' خوفزدہ اور نظر بند سرکاری ملازمین یہ ثابت کرنے کے لئے کس طرح بیان دے سکتے تھے کہ سی ایم ایل اے غلطی پر تھے؟ اس عدالت پر کوئی کیسے اعتماد کر سکتا تھا جو ایک ملزم کی طرف سے مقدمے کی پیروی کے دوران وکلا کو بار بار توہین عدالت کی بنا پر کارروائی کی دھمکیاں دیتی رہی اور اس کے ساتھ ساتھ سی ایم ایل اے کی طرف سے کی جانے والی کھلی توہین کو نظر انداز کرتی رہی۔ اگر سابق صدر اور وزیر اعظم۔ جواب بھی اس ملک کا سب سے مقبول رہنما ہے اور مسلم تیسری دنیا اس کی خدمات کی وجہ سے اس کا احترام کرتی ہیں، قانون سے بالا نہیں ہے تو ایک ایسا فوجی حکمران جس نے قوم اور دنیا سے کئے ہوئے اپنے ہر مقدس وعدے کو توڑا ہے اسی قانون کا پابند کیوں نہیں ہو سکتا؟

۷: پاکستان ٹائمز نے یہ ذکر بھی کیا ہے کہ:۔
"اخبار نے رپورٹ دی ہے کہ چیف جسٹس کے مطابق عدلیہ اور انتظامیہ کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے اور سی ایم ایل اے نے سپریم کورٹ کے معاملات میں کبھی مداخلت نہیں ہے۔"

مجھے وہ بات یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے جو اس ملک کے عوام کبھی نہیں بھول سکتے اور جواب ہمارے ملک کی تاریخ کا حصہ بن گئی ہے۔ جب کہ اس وقت کے چیف جسٹس کو مارشل لا کی درستگی کو چیلنج کرنے والی بیگم نصرت بھٹو کی درخواست کو اس بنچ نے داخل کر لیا جس کی صدارت وہ کر رہے تھے اس کے ایک دن بعد سرسری طور پر علیحدہ کر دیا گیا۔ ان کے جانشین کے طور پر کیا آپ کا یہ کہنا بجا ہوگا کہ سی ایم ایل اے نے سپریم کورٹ کے معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کی؟

یہ ایک عجیب اتفاق محسوس ہوتا ہے کہ اس مقدمے میں مدعی احمد رضا قصوری، جنہیں بظاہر سرکاری خرچ پر امریکہ اور کینیڈا بھیجا گیا ہے کے بیانات' ساتھ ہی پاکستانی سفارتخانوں کے زیر انتظام ہونے والی میٹنگوں میں میرے خلاف ہائی کورٹ کے فیصلے کی حمایت میں ہونے والی تقریروں کی تفصیلات پاکستانی اخبارات میں باقاعدگی کے ساتھ رپورٹ کی جا رہی ہے۔ چیف جسٹس آف پاکستان بھی جکارتہ میں پاکستان کے سابق وزیر اعظم کے ساتھ ظالمانہ سلوک اور مجھے اس جھوٹے مقدمے میں جو دنیا بھر میں اسکینڈل بن گیا ہے سی ایم ایل اے کے سیاسی مقاصد کا دفاع کرنے لگیں۔

۹: اپیل پر آپ کے انڈونیشیا میں تبصرے کی سرکاری ذرائع ابلاغ یعنی ریڈیو اور ٹی وی پر پاکستان میں بار بار تشہیر کی گئی۔ بہر حال ذرائع ابلاغ نے سپریم کورٹ میں ہونے والی کارروائی کی رپورٹنگ بند کر دی تھی۔ حالانکہ وہ کئی ماہ تک ہائی کورٹ میں استغاثے کے مقدمے کی تشہیر کرتے رہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ذرائع اس وقت تشہیر دوبارہ شروع کر دیں گے جب میرے وکیل مکمل کر چکے ہوں گے اور استغاثہ اپنا جواب شروع کرے گا۔ کیا یہی قانون کے سامنے مساوات ہے جس کے بارے میں بڑی باتیں کی جاتی ہیں اور جو مجھے بار بار یاد دلائی جاتی ہے؟ کیا یہ ظاہر کرنے کے لئے ہمیں مزید ثبوت کی ضرورت ہے کہ میرے خلاف مقدمے کا پاکستان کی سیاست سے ہر طرح کا تعلق ہے۔

۱۰: اوپر جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اور ۷ مئی ۱۹۷۸ء کو کوٹ لکھپت جیل سے آپ کے نام بھیجی جانے والی سابقہ درخواست میں جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کے پیش نظر واقعات کی منطق مجھے مجبور کرتی ہے کہ آپ سے ایک بار پھر درخواست کروں کہ مزید اس بنچ کی صدارت نہ فرمائیے جو میری اپیل کی سماعت کر رہی ہے۔ اس بات میں شک کرنے کی میرے پاس کیا گنجائش باقی رہ گئی ہے کہ آپ مارشل لا حکومت اور اس کے مقاصد کے اس حد تک متفق اور ہم آہنگ ہیں کہ میری اپیل کا فیصلہ غیر جانبدارانہ اور بلا تعصب کر سکیں ؟

ذوالفقار علی بھٹو
(درخواست گذار)
موت کی کوٹھری۔ ڈسٹرکٹ جیل
راولپنڈی

بند کمرے میں
بھٹو کے
بیان کا
متن

میرے خلاف یہ جھوٹا مقدمہ کیوں
بند کمرے میں سماعت کیوں

نصرت بھٹو کے خون کا ایک

نواب محمد احمد خان کے مقدمہ قتل کی سماعت کے دوران لاہور ہائیکورٹ نے بند کمرے میں، جناب ذوالفقار علی بھٹو سے چند سوالات پوچھے تھے اور بیان قلمبند کیا تھا۔ اب سپریم کورٹ آف پاکستان نے لاہور ہائی کورٹ میں بند کمرے میں ہونیوالی کارروائی کی اخبارات میں اشاعت کی اجازت دیدی ہے۔ چنانچہ جناب بھٹو کا بیان ذیل میں نذر قارئین کیا جارہا ہے (ادارہ)

سوال نمبر ۵: جب ۲۸ فروری ۷۵ء کو سعید احمد خان نے آپ کو اپنا نوٹ بحوالہ ایجنسی پی ڈبلیو/۳/۳ پیش کیا جس میں ٹریبونل کی دی گئی ہدایات شامل تھیں اور آپ کو تجویز پیش کی گئی تھی کہ "اس واقعے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال کو واضح کرنے کے لئے رپورٹ کے متعلقہ حصے شائع کئے جائیں۔" اور کہا گیا تھا کہ "اس قتل کے مختلف محرکات اور ممکنہ وجوہات اس رپورٹ میں لائے گئے ہیں،" تو آپ نے کوئی حکم صادر نہیں کیا اور نوٹ پر ۲ مارچ ۷۵ء کو صرف یہ لکھا "میں رپورٹ بحوالہ ایجنسی پی ڈبلیو ۳/۳ دیکھ کر فیصلہ کروں گا۔" آپ کو کچھ کہنا ہے؟

جواب:- میری رائے میں یہ ایک غیر قانونی مقدمہ ہے۔ جب مجھے ۳ ستمبر کو پہلی بار گرفتار کیا گیا تھا اور آج جب میں نے اس گرفتاری کے طریقہ کار اور دوسری باتوں کو کھلی عدالت کے سامنے لانا چاہا تو مجھے اس حق سے محروم

رکھا گیا۔ مجھے اس عدالت
صمدانی پر مشتمل تھی۔ ضمانت
ضمانت پر رہا کیا گیا تو جب
اخباری نامہ نگاروں سے
کر انہوں نے سنا ہے کہ
انہوں نے مزید کہا کہ "
ریگولیشنز یا مارشل لا آرڈ
کیونکہ انہوں (بھٹو) سے
کی ہے۔" تاہم صرف تین
مارشل لا آرڈر نمبر ۱۲
سینٹرل جیل لے جایا گیا
جنرل ضیاء الحق نے کہا کہ
کے چند ساتھیوں پر جو
نمبر ۱۲ کے تحت گرفتار
میں مقدمہ چلے گا اور
انتخابی مہم کا آغاز ۱۸

ـــ حصہ شہباز قلندر اور داتا دربار کی چادر پر رکھا گیا ہے

کل بنچ نے جو مسٹر جسٹس
کیا ۱۳ ستمبر کو جب مجھے
الحق نے راولپنڈی میں
کرتے ہوئے انہیں بتایا
انت منظور ہو گئی ہے۔
بھٹو کو مارشل لاء
نظر بند نہیں کروں گا۔
لا کی خلاف ورزی نہیں
۱۶ ستمبر کو مجھے لاڑکانہ میں
گرفتار کر لیا گیا اور سکھر
بر کو، جہاں تک میرا خیال ہے
مدمیرے پاکستان پیپلز پارٹی
ساتھ ہی مارشل لاء آرڈر
تھے۔ مارشل لاء کی عدالتوں
سزائیں سنائی جائیں گی۔
ہوا۔ یکم اکتوبر ۷۷ء کو انتخابات

غیر معینہ مدت تک کے لئے ملتوی کر دیئے گئے۔ اگر مقدمہ صحیح اور قانونی ہوتا تو میں اس عدالت کو بتاتا کہ یہ انتخابات کیوں ملتوی کر دیئے گئے۔ تاہم انتخابات ملتوی کرا کے انہوں نے خصوصی طور پر کہا کہ مجھ پر مارشل لاء کی بجائے عام قوانین کے تحت سول عدالتوں میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ انہوں نے حال ہی میں اپنے اس بیان کو ان برطانوی صحافیوں کے سامنے دہرایا جو وزیر اعظم کالیہان کے ساتھ پاکستان آئے تھے۔ یہ قتل کا مقدمہ ہے جس کی سزا سنگین ہو سکتی ہے۔ اس مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لئے ہائی کورٹ کے پانچ معزز ججوں کا ایک خصوصی بنچ تشکیل دیا گیا ہے۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو مقدمے کی کارروائی ۲۴ ستمبر ۷۷ء کو شروع ہوئی اور اس تاریخ سے، سوائے دو مختلف درخواستوں کے جو میں نے ۱۸ دسمبر ۷۷ء اور ۲۲ دسمبر ۷۷ء کو پیش کیں اور جن کی سماعت چیمبر میں بہت مختصراً ہوئی، باقی تمام کارروائی آغاز ہی سے کھلی عدالت میں وکلا اور صحافیوں کی موجودگی میں، جب کہ ہر روز گیلریاں بھی

کھچا کھچ بھری ہوتی تھیں، زیر سماعت آئیں۔ روزانہ عدالتی کارروائی کی رپورٹ اخبارات میں کسی نہ کسی صورت میں شائع ہوتی رہی۔ حکومت کے زیر کنٹرول ریڈیو اور ٹیلی ویژن ہر روز ان کارروائیوں کو ڈھال کر اور مسخ کر کے پیش کرتے رہے تاکہ عوام کے ذہن کو غلط متاثر کیا جائے اور ان کے سامنے کارروائیوں کی غلط تصویر پیش کی جائے۔ ان کارروائیوں کو ٹیپ کیا گیا۔ مائی لارڈ! چیف جسٹس نے غیر ملکی صحافیوں سے کہا ہے کہ وہ اس مقدمے کے دوران موجود رہیں اور عدالتی کارروائی سنیں جو ایک سول مقدمہ ہے اور عام قوانین کی روایات کے مطابق اس کی سماعت ہو رہی ہے۔ اس کی سماعت "دن کی پوری روشنی میں ہو رہی ہے۔" اور انہوں نے اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ انٹرنیشنل ایمنسٹی مقدمے کی سماعت کے دوران موجود نہیں ہے۔ استغاثہ کے کیس کے تمام تر عرصے میں جب کہ بناتے ہوئے اور اذیت دیتے ہوئے استغاثہ کے گواہ جھوٹی گواہی دے رہے تھے، مقدمے کی سماعت بند

کمرے میں نہیں ہو رہی تھی۔ اب جب کہ تین ماہ تک گھڑی ہوئی گواہیاں سننے کے بعد میرے لئے زیر دفعہ ۳۴۲ کرمینل پروسیجر کوڈ بیان دینے کا وقت آ گیا ہے۔ جب بالآخر میرے لئے حقائق بیان کرنے اور کھلی عدالت میں یور لارڈشپ کو بتانے کا وقت آ گیا ہے کہ مجھے بھی اذیت پہنچانے کی کیسے کوششیں کی گئیں جس کا اس روز بھی تذکرہ کیا تھا جب استغاثہ کا گواہ عبدالخالق اپنا بیان قلم بند کرا رہا تھا۔ جب وقت آ گیا ہے کہ اپنے خلاف گھڑے گئے جانے والے اس جھوٹے مقدمے اور دوسرے جھوٹے مقدموں کی وجوہات کا انکشاف کروں۔ جب وقت آ گیا ہے کہ یور لارڈشپ اور ملک کو بتاؤں کہ کس طرح مجھے بین الاقوامی سازش کا قیدی بنایا گیا ہے اور کیوں مجھے اندیشہ ہے کہ منصفانہ کارروائی نہیں ہوگی تو کیا اس وقت طریقہ کار مکمل طور پر بدل دیئے جانے چاہئیں؟ صرف اسی وقت عدالت کو خالی ہو جانا چاہیئے؟ صرف اسی وقت اس پوشیدہ کمرے میں مجھے اپنا حق استعمال

کرنا چاہیئے؟ آپ اسے حق کہتے ہیں؟ آپ اسے مقدمے کی سماعت کہتے ہیں؟ آپ اسے انصاف کہتے ہیں؟ بھول جائیے کہ میں پاکستان کا صدر اور وزیراعظم تھا۔ اس حقیقت کو فراموش کر دیجیے کہ میں ملک کی سب سے بڑی پارٹی کا لیڈر ہوں۔ ان ساری چیزوں کو بھول جائیے لیکن میں اس ملک کا ایک شہری ہوں اور مجھ پر ایک قتل کا مقدمہ چل رہا ہے۔ ایک عام شہری بھی (اور میں خود کو ایک عام شہری ہی سمجھتا ہوں) کو انصاف سے محروم نہیں رکھا جاسکتا۔ یہ انصاف سے مکمل طور پر محروم رکھا جاتا ہے اور جیسا کہ میں نے کہا ہے مقدمہ اب کھلے طور غیر قانونی ہو گیا ہے۔ میں اپنے ۲۴۳ کے بیان کو پوری وفاداری سے قلم بند کرانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گا۔ مجھے کسی ابتدائی انصاف کی توقع تھی جب استغاثہ کے گواہوں کے بیانات قلم بند کرائے جا رہے تھے تو کریمنل پروسیجر کوڈ اور ایویڈنس ایکٹ اور قانونی حوالہ جات، سب بیکار تھے۔ اب کریمنل پروسیجر کوڈ کہاں ہے؟ ایویڈنس ایکٹ کہاں ہے؟ کل میرا بیان کھلی عدالت میں قلم بند کیا گیا تھا۔ اگر کل اس کا کھلی عدالت میں قلم بند کیا جانا قانونی تھا تو اسی طرح آج بھی اسے کھلی عدالت میں قلم بند کرنا قانونی ہے۔ آج میں اچانک حیرت سے اُچھل پڑا۔

میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اپنے وکلا کو مقدمے کی پیروی سے منع کر دیا ہے لیکن یہ بات مجھے موجودہ صورتحال میں اپنے وکلا سے مشورہ کرنے سے روک نہیں سکتی ہے وکالت نامے منسوخ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عدالت میں میرے مقدمے کی پیروی نہیں کریں گے لیکن کب۔ ایک زیر سماعت قیدی جس پر زیر دفعہ ۳۰۲ اور ۳۰۷ پی پی کا الزامات عائد کئے گئے ہیں۔ دوران سماعت کسی مرحلے پر کسی وکیل سے مشورہ نہیں کر سکتا؟ میں یہ نہیں کہتا کہ میں اپنے بائیکاٹ کا فیصلہ واپس لے رہا ہوں لیکن میں مقدمہ ختم ہونے سے پہلے کسی بھی مرحلے پر اپنے وکلا سے مشورہ کر سکتا ہوں اور بائیکاٹ کا فیصلہ واپس لے سکتا ہوں۔ میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ نہ صرف میرے ساتھ انصاف نہیں کیا جا رہا ہے اور یہ مقدمہ غیر قانونی حیثیت اختیار کر گیا ہے بلکہ کھلے طور پر بے اصولی بن گیا ہے۔ لیکن کیا خدارا میں کسی وکیل سے مشورہ نہیں کر سکتا جب کہ اس طرح کی تبدیل رونما ہوتی ہے؟ ایک پڑوسی ملک میں بھی ایک سابق وزیراعظم متعدد الزامات میں ملوث ہے۔ اس پر الزام ہے کہ اس نے بھارتی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوتے ملک میں ہنگامی قوانین کا نفاذ کیا۔ اس پر آمرانہ اختیارات کے استعمال کا الزام ہے۔ اس پر انتخابات میں دھاندلیاں کرانے کا الزام ہے۔ اس پر میجر نگروالا کے قتل کا الزام ہے۔ اس پر اقربا پروری اور اپنے بیٹے کے لئے مراعات مہیا کرنے کا الزام ہے اور ایسے ہی ہمہ گیر الزامات ہیں لیکن وہ اب بھی اپنا عہدہ چھوڑنے کے بعد گذشتہ نو ماہ سے ایک آزاد شہری ہے۔ وہ اپنے ملک کی پبلک لائف میں بدستور ہے۔ اسے مکمل سیاسی سرگرمیوں کی اجازت ہے جب اسے گرفتار کیا گیا تو ۲۴ گھنٹوں کے اندر ایک عام مجسٹریٹ نے اسے رہا کر دیا۔ وہ شاہ کمیشن کے سامنے بیان دینے سے انکار کر رہی ہے۔ وہ مبینہ طور پر شاہ کمیشن کی توہین عدالت کی مرتکب ہوتی ہے لیکن سابق جسٹس شاہ اس کے توہین عدالت کے باوجود اسے گرفتار نہ کرنے کی ہدایات دیتے ہیں۔

اس نے اپنے ہنگامی قوانین کے دوران مبینہ طور پر بھارت کی موجودہ مرارجی ڈیسائی حکومت کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا تھا، اس نے مرارجی ڈیسائی کو جن کی عمر اسّی سال سے زیادہ ہے اگر فتار کر لیا تھا۔ ہنگامی قوانین کے تحت ہنگامی حالات کے دوران بھارت کی موجودہ حکمران جنتا پارٹی کے بہت سے دوسرے مرکزی اور صوبائی وزرا گرفتار کر لئے گئے تھے۔ اب وہ حکومت میں شامل ہیں۔ کل وہ شاید سابق وزیراعظم کو گرفتار کر لیں۔ مجھے معلوم نہیں ہے لیکن اب تک، نو ماہ گزرنے کے بعد بھی اس کے خلاف تمام الزامات کے باوجود اسے ہاتھ تک نہیں لگایا گیا ہے۔ وہ اس پر اپنا انتقامی غصّہ نہیں اتار رہے ہیں۔ وہ انتقام قتل کی خرمستی نہیں کر رہے ہیں۔ اس نے مبینہ طور پر ان کے ساتھ زیادتیاں کی ہیں پھر بھی وہ ملک کے عام قوانین کو اس کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت دے رہے ہیں۔

مرارجی ڈیسائی مسز گاندھی کے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ وہ گاندھی کے دور میں جنگ آزادی کے ایک آزمودہ سپاہی رہے ہیں۔ وہ بھارت کے سیاسی منظر پر مسز گاندھی سے پہلے موجود تھے۔ مرارجی ڈیسائی مسز گاندھی کے پروردہ یا ان کے احسان مند نہیں ہیں۔ لیکن آپ یہاں تضاد دیکھئے۔ میں نے ان لوگوں سے کیا زیادتی کی ہے؟ کیا میں نے انہیں انتقامی کارروائی کا نشانہ بنایا یا اپنے دور میں انہیں عزت اور مقام دیا؟ کیا میں نے انہیں برطرف کر دیا یا تیزی سے ترقیاں دیں؟ مجھے اگست ۱۹۷۶ء میں ڈاکٹر کسنجر نے کہا تھا کہ اگر تم، مسٹر پرائم منسٹر، ری پروسیسنگ پلانٹ کے معاہدے کو منسوخ تبدیل یا ملتوی نہیں کرو گے تو ہم تمہیں ایک ہیبت ناک مثال بنا دیں گے۔ اپنے ملک کی خاطر، پاکستان کے عوام کی خاطر میں نے اس بلیک میل اور دھمکی کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔ میں نے نیشنل اسمبلی آف پاکستان میں اپنی تقریر کے دوران یا اس کے بعد اس کو دہرایا تھا اور اس تقریر میں کہا تھا کہ خونی شکاری کتے میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ میں نے جو انکشافات کئے تھے ان کی تردید نہیں کی گئی۔ اس کے برعکس جب ترپیولی میں منعقد ہونے والی اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں مواد کو پیش کیا گیا تو اس مواد کو دیکھ کر تمام اسلامی وزرائے خارجہ نے جو تمام اسلامی ملکوں کی نمائندگی کر رہے تھے ریزولیوشن پاس کیا جس میں پاکستان کے اندرونی معاملات میں غیر ملکی مداخلت کی مذمت کی گئی۔ میرے انکشاف پر امریکی حکومت کا ردِ عمل کم و بیش حسب ذیل الفاظ میں تھا۔" اگر اس قسم کے انکشافات ہوتے رہے تو پھر ہم خفیہ مذاکرات کس طرح کریں گے؟" قومی مفادات میں انکشافات کرنا ہی پڑتے ہیں۔ قومی مفاد سے بالاتر کوئی سرکاری آداب یا قانون نہیں ہے۔ میں آج ان معاملات پر کہنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں خوب سمجھتا ہوں کہ صحافیوں اور دوسرے لوگوں کو آج عدالت کی کارروائی سننے سے کیوں روک دیا گیا ہے۔

مجھے بار بار یاد دلایا گیا ہے کہ میں بھول جاؤں کہ پاکستان کا سابق صدر اور وزیراعظم تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے کہ یہ پاکستان کا وزیراعظم یا صدر تھا۔ مجھے یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے جس طرح میرے ساتھ سلوک کیا گیا ہے یا میں کہوں گا کہ جس طرح میرے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہے، جس طرح میرے خاندان والوں کے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہے اور جس طرح میرے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہے، اس کے بعد مجھے کسی یاددہانی کی ضرورت نہیں ہے۔

مجھے ضمانت پر رہا کیا گیا تھا اور وہ ضمانت منسوخ کر دی گئی حالانکہ میں پہلے ہی مارشل لا آرڈر نمبر ۱۲ کے تحت نظر بند تھا اور اب بھی مارشل لا آرڈر نمبر ۱۲ کے تحت نظر بند ہوں۔ پھر بھی میری ضمانت منسوخ کر دی گئی۔ کیا میں قید سے باہر آسکتا تھا؟ کیا میں گواہوں پر اثر انداز ہو سکتا تھا جیسا کہ الزام لگایا گیا ہے؟ یقیناً نہیں۔ میں قید میں تھا اور مجھے قید تنہائی میں رکھا گیا تھا۔ میری کال کوٹھری کے

سماعت کو بند کمرے میں تبدیل کرنا۔ قدرتی انصاف اور مساوی سلوک کے قانون کے خلاف ہے

ساتھ تین ماہ تک ۵۴ پاگل رکھے گئے تھے اور وہ رات کو چیختے چلاتے رہتے تھے۔ وہ میرے لئے سونا، ناممکن بنا دیتے تھے۔ یہ فضیلت مآب عدالت جو ہائی کورٹ کے پانچ آنریبل ججوں پر مشتمل ہے، میں ان میں سے کم از کم تین سے یہ توقع رکھتا تھا کہ وہ اس معاملے پر توجہ دیں گے۔ میری بیوی پر لاٹھی چارج کیا گیا اور اس کا سر پھٹ گیا۔ قدرتی طور پر میں اس سے پریشان ہو گیا تھا اور میں نے اس کے بارے میں یہاں سُنا۔ جب میں مسٹر اعوان سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور میں نے وہ لفظ استعمال کیا جس نے آنریبل چیف جسٹس کو اشتعال دلایا، تو میں اٹھا اور ادب سے ان سے کہا: "مائی لارڈ" میں اُس روز ذہنی طور پر پریشان تھا۔ میں نے بہت مؤدبانہ وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آنریبل چیف جسٹس نے کیا کہا: "مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ تم پریشان ہو" اور پھر انہوں نے اسے حکم دیا (ایس پی کی طرف اشارہ کر کے) کہ "اس آدمی کو یہاں سے لے جاؤ تاوقتیکہ یہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں آ جاتا۔" میں نے کیا لفظ کہا تھا اور وہ بھی اپنے وکیل سے پرائیویٹ طور پر۔ یہ وہ لفظ ہے جسے قائداعظم بے تکلف استعمال کرتے تھے۔ انہوں نے لفظ "دفع کرو" بارہا استعمال کیا۔ لفظ "دفع کرو" میں ناشائستگی کیا ہے۔ میں یہ لفظ اپنے وکیل کے ساتھ نجی طور پر استعمال کر رہا تھا۔ فاضل چیف جسٹس اس عدالت میں کہانیاں سنا سکتے ہیں، وہ میراثیوں، طوائفوں اور دلالوں کی کہانیاں سنا سکتے ہیں۔ یہ سب نفیس باتیں ہیں لیکن عدالت خانقاہ اور گرجا بن جاتی ہے جب میں اپنے وکیل کے ساتھ یہ لفظ استعمال کرتا ہوں۔ یہ ہے تصویر میری محبوب بیوی کی (جیب سے ایک تصویر نکال کر دکھاتے ہوئے) اور خون کا ایک حصہ شہباز قلندر کی چادر پر رکھا گیا ہے اور میرا خیال ہے داتا دربار پر بھی۔

مائی لارڈز، ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ میں نے یہ اذیت اور المیہ اپنے ملک کے لئے سہا ہے۔ مجھے توقع تھی کہ کم از کم آج جب مجھے دفعہ ۳۴۲ کے تحت اپنا بیان قلم بند کرانے کا وقت اور موقعہ میسر آئے گا، تو قانون کے مطابق، اس عدالت کی روایات کے مطابق اس طریقۂ کار کے مطابق جو اس مقدمے میں شروع سے رُوا رکھا گیا ہے، مجھے یہ وقت اور موقعہ ملے گا۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ نہیں، میں اتنا حق بھی نہیں رکھتا ہوں۔ دفعہ ۳۴۲ کے تحت میرا بیان صرف کل شروع ہوا۔ اسے آج بھی جاری رہنا تھا۔ یہ آج جاری نہیں رہ سکا ہے۔ یہ زیر دفعہ ۳۴۲ بیان نہیں ہے۔ یہ میرا اس آنریبل عدالت سے احتجاج ہے کہ قانون کے مطابق زیر دفعہ ۳۴۲ مجھے اپنا بیان مکمل کرنے کی اجازت نہیں دی جا رہی ہے۔

سوال ۵۵: اس بات کی شہادت موجود ہے کہ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن پر مشتمل ٹریبونل کی رپورٹ اس وقت کے وزیراعلیٰ پنجاب مسٹر محمد حنیف رامے نے آپ کو اپنی چٹھی، ڈی او نمبر ۸۰۷، ایس ایم (پی ایم)/۷۵، مورخہ ۷ مارچ ۱۹۷۵ء کے ساتھ بھیجی تھی، جسے آپ نے آگے اپنے چیف سیکورٹی افسر سعید احمد خان کو ان ریمارکس کے ساتھ روانہ کیا: "تمہارے ساتھ اس پر تبادلہ خیال کرنے کا کیا مقصد تھا؟ براہ مہربانی بات کریں۔" آپ کو کیا کہنا ہے؟

جواب: اس آنریبل بنچ نے اپنے حکم مورخہ ۲۴/۵ میں مقدمے کی سماعت بند کمرے میں کرنے کی جو وجوہات بتائی ہیں وہ یہ ہیں کہ میں دو اہم نکات کے بارے میں کہنے والا تھا۔ (اے) وجوہات کہ کیوں میرے خلاف یہ مقدمہ کھڑا کیا گیا ہے اور (بی) وجوہات کہ مجھے اعتماد نہیں ہے کہ غیر جانبدارانہ سماعت ہو گی اور مجھے انصاف ملے گا۔ حکم میں کہا گیا ہے کہ چونکہ میں نے ماضی میں بنچ کی غیر جانبداری پر الزامات عائد کئے اور حملہ کیا ہے انصاف کے مفاد میں مزید سماعت بند کمرے میں ہو۔ میرا نکتۂ نظر یہ ہے کہ میرا بیان جو دفعہ ۳۴۲ کے تحت ۲۴ تاریخ کو قلم بند کیا جا رہا تھا اور جسے ۲۵ تاریخ کو بھی جاری رہنا تھا، (اے) یا (بی)، کے مرحلے تک نہیں پہنچا تھا۔ یعنی میں ان نکات تک نہیں پہنچا تھا کہ کیوں میرے خلاف یہ جھوٹا مقدمہ کھڑا کیا گیا ہے اور بنچ کی جانبداری کے بارے میں اپنی وجوہات بھی بتاؤں۔ میں سوالات کے جواب محدود سیاق و سباق کے حوالے سے دے رہا تھا جب تک ان جوابات کا میرے دفاع سے براہِ راست تعلق نہیں تھا۔ سوالات مکمل نہیں ہوتے تھے۔ آرڈر خود بتاتا ہے کہ مجھ سے ۶۷ میں ۳ سوالات کیے گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد سوال اب بھی مجھ سے پوچھے جانے تھے اور بند کمرے میں سماعت کے بارے میں میرے نکتۂ نظر سے متاثر نہ ہوتے ہوتے، میں یہ سمجھوں گا کہ اگر معاملات کھلی عدالت میں مکمل کر لئے جاتے تب بھی اس بنچ کے نکتۂ نظر سے اعتراض نہ ہونے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اگر سوالات ۲۴ تاریخ کو کھلی عدالت میں پوچھے جاتے تو یقیناً آنریبل عدالت انہیں ۲۵ تاریخ کو بھی جاری رکھ سکتی تھی تاکہ کھلی عدالت میں مجھ سے سوالات پوچھنے کا کام مکمل ہو۔ اس کے بعد یہ سوال آنریبل عدالت کے نکتۂ نظر سے متعلقہ بن جاتا کہ آیا سماعت بند کمرے میں کی جائے وہ بھی پہلے نکتے پر نہیں جو یہ ہے کہ "میرے خلاف یہ جھوٹا مقدمہ کیوں؟" اس آنریبل عدالت کے حکم کے مطابق وہ بھی کھلی عدالت میں کیا جاتا۔ صرف اسی وقت جب کارروائی بنچ کی جانبداری کے سوال پر پہنچتی تو یہ بات متعلقہ بن جاتی کہ سماعت کھلی عدالت میں ہو یا بند کمرے میں۔ یہ وہ نکتۂ نظر ہے جو خود آرڈر میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ میرا نکتۂ نظر نہیں ہے۔ میرا نکتۂ نظر یہ ہے کہ ان کارروائیوں میں سے کوئی بھی بند کمرے میں نہیں ہونی چاہیے۔ میرا نکتۂ نظر یہ ہے کہ آپ استغاثہ کے لئے ایک قانون اور میرے لئے دوسرا قانون نہیں رکھ سکتے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ انصاف ایک خانقاہی وصف نہیں ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ نہ صرف انصاف کیا جائے بلکہ ایسا ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ انصاف کیا گیا ہے۔ یہ ایک دوہرے معیار کا استعمال ہے۔ اس یقین دہانی کے ساتھ کہ مجھ پر فوجی عدالت میں نہیں بلکہ سول عدالت میں مقدمہ چلے گا، یہ اعتماد بھی اپنی جگہ ہے کہ مجھے کھلی عدالت کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ ساڑھے تین ماہ تک استغاثہ کو پوری آزادی تھی۔ کہانی کا ان کی طرف کا رخ، کہانی کا استغاثہ والا رخ، زیر بندش پریس ریڈیو اور ٹی وی پر بگڑے ہوتے اور گھڑے ہوتے انداز کے ساتھ آ چکا ہے۔ استغاثہ کے گواہوں کو اپنے بیانات میں ردّ و بدل کرنے کا موقعہ دیا گیا ہے۔ اعتراف جرم کرنے

والے ملزموں پر نئی تفتیش شروع کرانے کی اجازت دی گئی ہے۔ صرف اس لئے کہ میرا موقف خراب کیا جائے اور عوام کے ذہنوں کو متاثر کیا جا سکے۔ ایک گواہ تو اس انتہا کو پہنچ گیا کہ اس نے کھلی عدالت میں بتایا کہ میں اپنے بیٹے اور وارث میر غلام مرتضیٰ خان بھٹو کو بھی قتل کرانے کا منصوبہ سوچ رہا تھا۔ یقینی طور پر میری حیثیت کم کر کے مجھے محض زیڈ، اے بھٹو رہنے دیا گیا ہے یہاں تک تو ٹھیک ہے لیکن بھٹو خاندان کو میروں کا خطاب تالپور دورِ حکومت میں دیا گیا تھا اور خان کا خطاب کلہوڑا دورِ حکومت میں۔ اس حد تک استغاثہ کو کھل کھیلنے کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن جب میری درخواستوں کی باری آتی ہے تو ان کی سماعت چیمبروں میں ہوتی ہے۔ مجھے کہا گیا ہے کہ میں خود اپنی درخواست پر بحث کروں (یہ بائیکاٹ سے بھی پہلے کی بات ہے) دوسر نشر کئے جرم موجود نہیں ہیں۔ استغاثہ حاضر عدالت نہیں ہے۔ میں حیرت زدہ رہ جاتا ہوں۔ یہ ۹ر جنوری ۷۸ء کا واقعہ ہے۔ اب میں پھر ایک دوسری حیرت سے دوچار ہو گیا ہوں۔ میں نے خود عدالت میں دیکھا ہے کہ جب روزمرہ کی عام درخواستیں اس کے سامنے آتی ہیں تو ان معاملات میں بھی ہمیں کہا جاتا ہے کہ ۲۴ گھنٹوں کا پیشگی نوٹس ضرور دیا جائے اور درخواستوں کو ایک دن پہلے رجسٹرار کو پیش کیا جائے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جب دستاویزات کا معاملہ سامنے آتا ہے تب بھی پھر فریقین کو کافی وقت دیا جاتا ہے۔ میں نے عدالت میں یہ دیکھا ہے استغاثہ کے گواہوں کی فہرست پیشگی طور پر مہیا کی جاتی ہے۔ میں اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ یہ باتیں اس لئے کی جاتی ہیں کہ انصاف کا تقاضا ہے کوئی شخص اچانک حیرت میں مبتلا نہ ہو جائے، خاص کر مدعا علیہ، خاص کر سنگین سزا کے کیس میں۔ لیکن میرا تجربہ اس کے برعکس ہوتا ہے، جب میرے دفاع کا معاملہ آتا ہے۔ ۹ر جنوری کو مجھے قطعاً خیال بھی نہ تھا کہ مجھے چیمبرز میں جانے کو کہا جائے گا۔ درحقیقت مجھے اس عدالت گاہ میں لایا گیا اور اچانک جب میں آنریبل چیف جسٹس کے چیمبرز کے سامنے تھا تو چپراسی نے بتایا کہ مجھے اندر طلب کیا گیا ہے۔ میں بالکل متحیر رہ گیا۔ میں نے پانچوں آنریبل ججوں کو وہاں بیٹھے دیکھا۔ آنریبل چیف جسٹس نے مجھے بتایا کہ یہ،، رہی میری درخواست، میں نے جواب دیا "یس مائی لارڈ" انہوں نے کہا کہ اپنے دلائل پیش کرو۔ میں نے آنریبل بنچ سے درخواست کی کہ مجھے درخواست پر میری طرف سے دلائل دینے کے لئے ایک وکیل کی ضرورت ہوگی۔ اس پر میرے دونوں وکلاء کو چیمبرز میں آنے کی اجازت دے دی گئی۔ وہ بھی حیرت زدہ رہ گئے۔ بہرحال مسٹر اعوان کو مختصراً اپنا موقف بیان کرنے کا موقعہ دیا گیا میں اس میں چند باتوں کا اضافہ کرنا چاہتا تھا جو انہوں نے کہا تھا آنریبل چیف جسٹس نے کہا: "ہم تمہیں سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ کبھی تم چاہتے ہو کہ تمہارا وکیل ہم سے خطاب کرے اور کبھی تم خود ہم سے مخاطب ہونا چاہتے ہو تم پہلے فیصلہ کر لو۔" میں نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ میں ایک پریکٹس کرنے والا وکیل نہیں ہوں۔ مجھے عدالتی کارروائیوں سے مَس نہیں ہے۔ اس پر آنریبل چیف جسٹس نے کہا: "تم اس سے پہلے بھی میرے سامنے پیش ہو چکے ہو" محض اس بنا پر کہ میں عدالت میں دو بار پیش ہوا تھا، یہ مجھے ایک پریکٹس کرنے والا پیشہ ور وکیل نہیں بناتا جسے قانون اور طریقۂ کار سے کماحقہٗ آگاہی ہونی چاہیئے۔ جب مجھے چند الفاظ ادا کرنے کی اجازت دی گئی تو آنریبل چیف جسٹس نے انہیں سنا۔ میری قطع کلامی کی اور ایک مرحلہ پر کہا: "میری سمجھ میں نہیں آیا تم نے کیا کہا ہے" یہ طنزیہ کہا گیا تھا۔ میں نے کہا: "میں انگریزی میں کہہ رہا ہوں۔ عجیب بات ہے کہ میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔" آنریبل چیف جسٹس نے دوبارہ احسان قادر شاہ سے کہا کہ اسے بتا دو، یہ اب وزیر اعظم نہیں رہا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ دکھانے کے لئے کہ میں وزیر اعظم ہوں، میں نے کیا کہا تھا۔ مجھ سے کس طرح توقع کی جا سکتی ہے کہ بتاؤں کہ وزیر اعظم نہیں ہوں؟ کیا مجھے رینگنا چاہیئے؟ کیا مجھے منہ کے بل جھکنا چاہیئے؟ ہرگز نہیں۔ میں کبھی رینگوں گا یا سر جھکاؤں گا نہیں۔ اگر یہی طریقہ بتلانے کا ہے کہ میں وزیر اعظم نہیں ہوں۔ یہ ہم نے کبھی نہیں کیا ہے اور کبھی کریں گے بھی نہیں۔ اگر آپ کو مجھ پر یقین نہیں ہے تو نام نہاد سردار مولا بخش سومرو سے پوچھ لیجئے جو اب مشیر برائے سیاسی امور اور کامرس ہیں اور یہ بتائیں گے کہ کیا خوف دلا کر یا ڈرا دھمکا کر یا ہراساں کر کے یا مقدمہ چلا کر ہمارے ارادے توڑے جا سکتے ہیں مجھے ۹ر جنوری کو چیمبرز میں سماعت کے لئے کوئی حکم نہیں دیا گیا یا وجوہات نہیں بتائی گئیں۔ میں اس حکم کی نقول، میری درخواستوں اور حتمی حکم کی تصدیق شدہ نقول کے لئے درخواست دیتا رہا ہوں تاکہ میں سپریم کورٹ میں رجوع کرنے کے بارے میں فیصلہ کر سکوں۔ ان دستاویزات کے حصول کے لئے مسلسل کوششوں کے باوجود ہمیں ان دستاویزات کی تصدیق شدہ نقول فراہم نہیں کی گئیں۔

اب میں ۲۵ر تاریخ پر آتا ہوں۔ پھر وہی بات ہوتی جب میں عدالت کے کمرے میں داخل ہوا تو اسے خالی پایا۔ اور مجھے کہا گیا کہ مزید سوالات مجھ سے بند کمرے میں کئے جائیں گے۔ میں حیران رہ گیا۔ میرے تعجب کی انتہا نہ رہی۔ میں نے کہا کہ میں اپنے وکلاء سے مشورہ کرنا چاہوں گا۔ آنریبل چیف جسٹس نے کہا کہ لیکن تم نے تو کارروائی کا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ وکلاء سے مشورہ کرنے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔ میں نے جواب میں کہا کہ یقیناً میں نے کارروائی کا بائیکاٹ کر رکھا ہے، وکالت نامہ منسوخ کر دیا ہے لیکن میں نے کہا کہ ایک شہری کی حیثیت سے کسی بھی مرحلے پر مجھے وکیل سے مشورہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ میں اب اس نکتے کی مزید وضاحت کرتا ہوں۔ مجھے وکیل سے مشورہ کرنے کا ہر وقت حق حاصل ہے خواہ میں نے کارروائی کا بائیکاٹ کیا ہو یا نہیں کیا ہو۔ یہ میرا بنیادی حق ہے جب کبھی میں سمجھوں گا کہ میرے مفادات کو دھچکا پہنچ رہا ہے تو میں وکیل سے مشورہ کر سکتا ہوں۔ یہ حقیقت کہ جب ایسی صورتِ حال پیدا ہوتی ہے کہ میں اپنے وکیل سے مشورہ کروں میرے بائیکاٹ سے قطعی مطابقت رکھتی ہے۔ اس کے بعد مجھے کہا گیا کہ میں وکیل سے مشورہ کر سکتا ہوں۔ میں نے فوراً اپنے وکیل کو بلوایا۔ میں نے اسے اس کیس کا وکالت نامہ نہیں دیا لیکن اس سے کہا کہ وہ براہِ کرم مجھے بتائے کہ یہ کس طرح ہے کہ کل تک سماعت کھلی عدالت میں ہوتی رہی اور آج عدالت نے بند کمرے میں سماعت کا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ ۲۴ر تاریخ کو مجھ پر زیرِ دفعہ ۳۴۲ سوالات کئے گئے۔ میں ان کے جواب دیتا رہا۔ ان سوالوں کو آج بھی جاری رہنا تھا۔ میں اس مرحلے پر نہیں پہنچا جب آخری سوال کیا جاتا کہ "تمہارے خلاف یہ مقدمہ کیوں ہے؟" لیکن باوجودیکہ سوالات کا تسلسل برقرار تھا۔ عدالت نے خود کو بند کمرے میں بدل لیا۔ میرے وکیل نے کہا کہ مجھے سوچ سمجھ کر قانونی رائے دینے کے لئے انہیں آنریبل بنچ سے احکام لینا ہوں گے۔ وہ یہ بھی دیکھنا چاہیں گے کہ ۲۵ر تاریخ کو عدالت میں کیا بات سامنے آئی تھی اور اگر میرا ۲۴ر تاریخ کا بیان انہیں دکھایا گیا تو انہیں اس سے بھی مدد ملے گی۔ میں نے وقت ضائع

نہیں کیا۔ فوراً ایک درخواست کا مسودہ تیار کیا۔ اسے عدالت کے اسٹینوگرافر نے ٹائپ کیا اور میں نے اسے فوراً اس آنریبل عدالت کے حوالے کیا۔ یہ ۲۵ تاریخ کی بات ہے۔ اس کے بعد میں کوٹ لکھپت چلا گیا۔ تقریباً ساڑھے چار بجے میری طبیعت سخت خراب ہو گئی۔ میں نے اپنا ڈاکٹر بلانے کی درخواست کی۔ وہ دوسرے دن ۲۶ تاریخ کو مجھے دیکھنے آیا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل موجود تھا۔ ڈاکٹر نے مجھے ایک ہفتہ آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ میں نے اُس سے کہا کہ اس سے غلط فہمی پیدا ہو گی۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا میں واقعی بیمار ہوں ایک میڈیکل بورڈ تشکیل دیا گیا تھا۔ اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں نے اس سے کہا کہ بہتر ہو گا اگر میڈیکل بورڈ میرا معائنہ کرے۔ میں نے سپرنٹنڈنٹ اور ڈاکٹر دونوں کی موجودگی میں یہ تجویز پیش کی۔ میں جمعرات اور جمعہ کو سارا دن بستر پر رہا لیکن میری علالت کے باوجود چونکہ کوئی میڈیکل بورڈ نہیں آیا، میں آج صبح عدالت کے سامنے پیش ہوا۔ گذشتہ رات میرے وکلا مجھ سے ملنے آتے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ آیا تصدیق شدہ نقول جن کی میں نے درخواست کی ہے، مجھے فراہم کر دی گئی ہیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ مجھے نہیں ملی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس صورت میں ممکن نہیں ہے کہ وہ مجھے معقول قانونی مشورہ دے سکیں۔ لہٰذا مجھے اس قانونی مشورے سے محروم رکھا گیا۔ اس صبح آنریبل بنچ نے میرے ۲۴ جنوری ۷۸ء کے بیان کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی دی جو ان سوالات کے جواب میں تھی جو آنریبل جسٹس قریشی نے زیر دفعہ ۳۴۲ کرمنل پروسیجر کوڈ مجھ سے کئے تھے۔ یہ ۵۳ سوالات ہیں جب میں سوال نمبر ۶ پر پہنچا تو یور لارڈشپ عدالت کے کمرے میں داخل ہوئے۔ میرے پاس سیکشن ۳۴۲ کے تحت سوالات کے جوابات کی فوٹو اسٹیٹ کو مکمل طور پر پڑھنے کا وقت نہ رہا۔ میرے وکیل کو بھی ان دونوں دستاویزات کے دیکھنے کا وقت نہ ملا۔ ہم نے مزید وقت کے لئے درخواست کی لیکن مجھے بتایا گیا کہ کافی وقت دیا گیا ہے نہیں کمرۂ عدالت میں واپس آنا ہے۔ مجھ سے ایک اور سوال کیا گیا۔ میں نے اس کا جواب دے دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم اس آنریبل بنچ کے حکم کو مدِ نظر رکھیں تب بھی میں کم از کم اس نکتے تک کھلی عدالت میں سماعت کا مستحق ہوں جب تک جانبداری کا سوال نہیں آ جاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ سماعت کو اچانک بند کمرے میں تبدیل کرنا قدرتی انصاف اور مساوی سلوک کے قانون کے خلاف ہے۔ کامن لاء ٹریڈیشن کے بارے میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ میں نے کچھ سال پہلے قانون کا امتحان آکسفورڈ اور لنکنز ان سے پاس کیا تھا۔ سرکاری وکیل بھی لنکنز ان میں میرا ہمعصر تھا۔ میرا قانون اور ضابطۂ قانون کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ قدرتی انصاف اور مساوی سلوک کے قوانین اور کامن لاء ٹریڈیشن کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ لارڈ ڈیننگ مساوی سلوک کو قانون پر ترجیح دیتا ہے۔ ہالسبری کے لاء آف انگلینڈ جب وہ کامن لاء کا ذکر کرتے ہیں تو بتاتے ہیں کہ مقدمات کی سماعت کھلی عدالت میں ہونی چاہیئے اور واحد مستثنیات، جہاں تک مجھے یاد ہے، "انسیس ایکٹ (INCEST ACT) اور "چلڈرن ایکٹ" ہیں۔ باقی تمام معاملات میں کامن لاء ٹریڈیشن یہ ہے کہ مقدمات کی سماعت اور کارروائی سرِعام ہو۔ ہاں۔ بند کمرے میں سماعت اس وقت ہو سکتی ہے جب کمرۂ عدالت میں کوئی جھگڑا فساد ہو جائے۔ اس کمرۂ عدالت

میں کبھی سر نہیں جھکاؤں گا، کبھی نہیں رینگوں گا

میں کیا جھگڑا فساد ہو سکتا ہے جب کہ یہاں روزانہ بیٹھنے والے لوگوں میں سے نصف سے زائد انٹیلی جنس اور اسپیشل برانچ اور سی آئی ڈی کے مشکوک قسم کے افراد ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، مشہور میجر یا کرنل یوسف کا کیس ہے اس مقدمے میں بھی سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا تھا کہ عدالتی کارروائی کھلے عام ہو، لہٰذا خود ہمارے قانون کے نکتۂ نظر سے، مساوی سلوک اور قدرتی انصاف کے قوانین کے نکتۂ نظر سے بھی یہی بات ہے۔ ان کارروائیوں کے بند کمرے میں ہونے کی کوئی قانونی وجہ نہیں ہے۔ میں نے دو روز کے تعطل سے پہلے ۲۵ تاریخ کو کہا تھا کہ میرے موقف کے مطابق مقدمے کی کارروائی غیر قانونی ہو گئی ہے اور اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں رہ گئی ہے۔ یہ میری مستند رائے ہے۔ کارروائی غیر قانونی ہو گئی ہے، منسوخ شدہ ہو گئی ہے۔ میرے دفعہ ۳۴۲ کے تحت سوالات کے جواب مکمل نہیں ہوئے ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ میں ایک خاص حد تک ان سوالات کے جواب دوں گا۔ میں اس حد میں رہ کر ان کے جواب دے رہا تھا لیکن اب ان حالات میں، میں محدود طریقے سے بھی ان کے جواب نہیں دے سکتا۔ لہٰذا آنریبل بنچ کی مکمل تعظیم کے ساتھ میں خود کو دفعہ ۳۴۲ کے تحت سوالات کے مزید جواب دینے کے قابل نہیں پاتا ہوں۔ اس سوال پر کہ "مجھ پر یہ جھوٹا مقدمہ کیوں کھڑا کیا گیا ہے" اور "جانبداری" کے سوال پر میں دفعہ ۳۴۲ کے تحت اپنا حتمی بیان دینے سے قاصر ہوں۔

سوال ۵۶: اس بات کی بھی شہادت موجود ہے کہ تم نے مسٹر محمد حنیف رامے کی متذکرہ بالا چٹھی ڈی او نمبر ۱۰۸/ ایم (پی ایم) / ۷۵ مورخہ ۱۷ مارچ ۷۵ء جس پر تمہارے ریمارکس درج تھے اور سعید احمد خان کی رپورٹ بھی واپس لے لی تھی۔ تمہیں کیا کہنا ہے؟

جواب: کوئی جواب نہیں۔

سوال ۵۷: کیا یہ حقیقت ہے کہ جب ٹریبونل نے اپنی رپورٹ پیش کی تو تم نے سعید احمد خان کو ہدایات دیں کہ اسے شائع نہ کیا جائے کیونکہ وہ تمہارے خلاف تھی؟

جواب: نہیں دیا گیا۔

سوال ۵۸: کیا یہ حقیقت ہے کہ تمہاری ہدایات پر کیس کی صحیح تفتیش نہیں کی گئی اور بالآخر اسے ناقابلِ دریافت قرار دے کر یکم اکتوبر ۷۵ء کو داخل دفتر کر دیا گیا؟

جواب: نہیں۔

سوال ۵۹: کیا یہ حقیقت ہے کہ احمد رضا خان قصوری نے ۱۹ نومبر ۷۴ء کو بذریعہ ایجیس پی ڈبلیو ۱/ پاکستان قومی اسمبلی کے اسپیکر کے نام تحریک استحقاق پیش کی تھی جس میں تمہارے خلاف اپنے والد نواب زادہ محمد احمد خان مرحوم کے قتل کا الزام عائد کیا تھا اور مطالبہ کیا تھا کہ تم مستعفی ہو جاؤ اور خود کو قانون کے سامنے پیش کرو کیونکہ تمہارا نام ایف آئی آر میں درج کرایا گیا ہے۔ یہ تحریک استحقاق تمہارے علم میں سعید احمد خان بحوالہ نمبر ایجیس پی ڈبلیو ۳/۲ - ایم اے آیا تھا۔ یہ حقیقت بھی ہے کہ تحریک استحقاق پیش کی گئی ہے۔ تمہارے علم میں عبدالحمید باجوہ اپنے نوٹ مورخہ ۸ دسمبر ۷۴ء نمبر ایجیس

پی ڈبلیو ۳/۲-این کے تحت لے آیا تھا جب یہ تمہارے اسے دیکھنے کے مخفف دستخط موجود ہیں۔

جواب: نہیں دیا گیا۔

سوال ۶۰: یہ بات علم میں لائی گئی ہے کہ مسعود محمود کو جب وہ ایڈیشنل سیکرٹری ڈیفنس تھا، معلوم ہوا کہ سندھ میں حریفوں کے خلاف استعمال کرنے کے لیے جام صادق علی اور عبدالحمید باجوہ کو آتشیں اسلحہ فراہم کیا گیا تھا اور تم نے عبدالحمید باجوہ کو مسعود محمود کے پاس اس کا منہ بند رکھنے کے لیے بھیجا۔

جواب: کوئی جواب نہیں۔

سوال ۶۱: اس بات کی شہادت موجود ہے کہ اپنے والد کے قتل کے بعد بھی احمد رضا خاں کی نگرانی کی جاتی رہی۔ اس کے محافظ کا حلیہ بذریعہ رپورٹ ایکس پی ڈبلیو ۲۸/۱ اور ایکس پی ڈبلیو ۳/۲ ٹی مہیا کیا گیا اور اپنے والد کے قتل کے بعد اس کا ردعمل تمہیں بذریعہ رپورٹ ایکس پی ڈبلیو-۳/۲-ایم، پی ڈبلیو-۳/۲-این اور پی ڈبلیو-۳/۲-کیو باقاعدہ بتایا جاتا رہا؟ تمہیں کیا کہنا ہے؟

جواب: کوئی جواب نہیں۔

سوال ۶۲: اس بات کی شہادت موجود ہے کہ تمہاری طرف سے سعید احمد خاں اور عبدالحمید باجوہ نے احمد رضا قصوری کو تمہاری پارٹی میں یہ کہہ کر لانے کی کوشش کی کہ ساری بات یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ خوشگوار تعلقات استوار کرے اور اپنی زندگی کو رائیگاں نہ کرے کیونکہ وہ ایک قابل آدمی ہے اور پھر اس کے نتیجے میں اس نے تمہاری پارٹی میں شمولیت کر لی۔ تمہیں کیا کہنا ہے؟

جواب: کوئی جواب نہیں۔

سوال ۶۳: اس بات کی شہادت موجود ہے کہ رانا افتخار احمد شریک ملزم نے ۲۶ جولائی ۷۷ء کو زیر دفعہ ۱۶۴ سی پی سی بذریعہ ایکس پی ڈبلیو ۱۰/۱۰۲ ایک رضاکارانہ بیان دیا۔ اسی قسم کا بیان اسی روز بذریعہ ایکس پی ڈبلیو ۱۰/۱۰۳، ارشد اقبال شریک ملزم نے دیا۔ غلام مصطفےٰ شریک ملزم نے یکم اگست ۷۷ء کو بذریعہ ایکس پی ڈبلیو ۱۰/۱۰۶ بیان دیا اور میاں محمد عباس نے ۱۸ اگست ۷۷ء کو بذریعہ ایکس پی ڈبلیو ۱۰/۱۰۹ بیان دیا۔ ان تمام بیانات کو مسٹر ذوالفقار علی ایم آئی سی لاہور نے قلم بند کیا۔ تمہیں کیا کہنا ہے؟

جواب: کوئی جواب نہیں۔

سوال ۶۴: معافی ملنے پر غلام حسین اور مسعود محمود وعدہ معاف گواہوں نے ذوالفقار علی طور ایم آئی سی لاہور کے سامنے بیان دیا جو انہوں نے بالترتیب بذریعہ ایکس پی ڈبلیو ۱۰/۱۱۱ مورخہ ۱۲ اگست ۷۷ء اور ایکس پی ڈبلیو ۲/۶ مورخہ ۴ ستمبر ۷۷ء قلم بند کیا۔ کیا تمہیں کچھ کہنا ہے؟

جواب: کوئی جواب نہیں۔

سوال ۶۵: کیا تم وضاحت کر سکتے ہو کہ تمہارے خلاف یہ مقدمہ کیوں ہے اور استغاثہ کے گواہوں نے تمہارے خلاف شہادتیں کیوں دی ہیں؟

جواب: کوئی جواب نہیں۔

سوال ۶۶: تمہیں مزید کچھ کہنا ہے؟

جواب: کوئی جواب نہیں۔

سوال ۶۷: کیا تم اپنے دفاع میں گواہ پیش کرو گے؟

جواب: کوئی جواب نہیں۔ میں کارروائی میں حصہ نہیں لے رہا ہوں۔

نوٹ: سوالات نمبر ۵۶ سے ۶۶ کے جواب میں ملزم نے اپنا ہاتھ اور سر نفی میں ہلایا۔

چیف جسٹس	۲۸-۱-۷۸ء
جج	جج
جج	جج

تصدیق کی جاتی ہے کہ ملزم کے ساتھ تفتیشی کارروائی ہمارے سامنے کی گئی اور ریکارڈ ملزم کے مکمل اور درست بیانات پر مشتمل ہے۔

۲۸-۱-۷۸

جج	جج

نوٹ: ملزم سے عدالت میں بیان پر دستخط کرنے کے لیے کہا گیا تو اس نے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ وہ عدالت کی کارروائی میں حصہ نہیں لے رہا ہے۔

مسٹر بھٹو دفاع کے گواہوں میں سے کسی پر جرح کرنا نہیں چاہیں گے جن کے حلف نامے پر بیانات قلمبند کیے گئے ہیں۔ لیکن وہ ڈی ڈبلیو ۴ کی حلفی شہادت کے بارے میں بیان دینا چاہتے ہیں اسے ریکارڈ کر لیا جائے۔ (چیف جسٹس)

ملزم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا بیان

۲۴ جنوری ۱۹۷۸ء کو جب موجودہ مقدمے کی سماعت کھلی عدالت میں ہوئی تھی تو اس موقع پر مجھے زیر دفعہ ۳۴۲ کریمنل پروسیجر کوڈ سوالات کے جواب دینے کو کہا گیا تھا جب میں آنریبل بنچ کے سامنے پیش ہوا تو مجھ پر سوالات کیے جانے سے پہلے میں نے ایک مختصر تعارفی بیان دیا جس کا مقصد تمام شکوک و شبہات سے بالاتر اس بات کی وضاحت کرنا تھی کہ میں دو نکات پر اپنا موقف پیش کروں گا۔ اولاً میرے خلاف مقدمہ کیوں؟ دوسرے الفاظ میں۔ اور دوم آنریبل چیف جسٹس کی جانبداری اور تعصب، میں نے (اپنے بیان میں) مزید اضافہ کیا تھا کہ میں صرف غیر متعلقہ سوالات کے جواب دوں گا جن کا میرے دفاع سے براہ راست تعلق نہیں ہے جب میں یہ ابتدائی ریمارکس بیان کر رہا تھا تو آنریبل چیف جسٹس نے ازراہ کرم مداخلت کی اور مجھے مطلع کیا کہ مجھے ان دونوں سوالات یا ان دونوں نکات پر میرے بیان کے آخر میں بولنے کا پورا موقعہ فراہم کیا جائے گا یعنی جب مجھ سے سوالات کیے جائیں گے "تمہارے خلاف یہ مقدمہ کیوں" اور "مزید تمہیں کیا کہنا ہے" میں نے یہ اطلاع دینے پر ان کا شکریہ ادا کیا اور درخواست کی کہ چونکہ میرے ریمارکس مختصر ہوں گے میں انہیں دینا چاہوں گا۔ یہ ۲۴ تاریخ کی بات ہے مجھ سے سوالات کیے گئے اور میں نے اپنی وضاحت کی روشنی میں جوابات دیئے یعنی میں نے انہیں چھوا جن کا براہ راست میرے دفاع سے تعلق تھا لیکن جن کا میری رائے میں میں اس پوزیشن کو متاثر کیے بغیر جو میں نے رکھی تھی جواب دے سکتا تھا اب جبکہ مجھے پوری یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ مجھے بدنیتی اور جانبداری کے اہم نکات پر بولنے کا پورا پورا موقعہ دیا جائے گا تو موقعہ محل کے حساب سے ان دو اہم نکات پر بولنے کے لیے تیاری کر کے آیا ہوں۔ یہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۸ء کو ہوا تھا بہرحال جب میں کمرہ عدالت میں آیا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ گذشتہ روز کی کھلی عام سماعت اچانک خفیہ سماعت میں بدل گئی ہے میں نے فوراً اپنی حیرت اور تعجب کا اظہار کیا کہ میں نے کہا کہ میری رائے میں مقدمہ غیر قانونی ہو گیا ہے اور یہ کہ اسے قانون میں بے اثر کیا گیا ہے میں نے انصاف نہ ملنے پر شدت سے احتجاج کیا اور بند کمرے میں سماعت کو غیر قانونی قرار دیا۔ خاصے بحث مباحثے کے بعد مجھے اپنے وکیل سے مشورہ کرنے کی اجازت دی گئی اپنے وکیل سے مشورہ کرنے کے بعد میں نے اسی دن فوراً آنریبل عدالت کے سامنے ایک درخواست پیش کی کہ کھلی عدالت کو بند سماعت میں تبدیل

کرنے کے احکام کی نقول مجھے فراہم کی جائیں میں نے اپنے ۲۴ اور ۲۵ جنوری کے بیانات کی نقول کے لیے بھی درخواست کی۔ میں نے یہ درخواست اس لیے دی کہ میرے وکیل نے مجھے مشورہ دیا کہ ان ضروری دستاویزات کے بغیر وہ مجھے معقول قانونی مشورہ نہیں دے سکے گا۔ ۲۶ اور ۲۷ تاریخ کو عدالت بیٹھی لیکن نہ ۲۶ تاریخ کو نہ ۲۷ کو مجھے دستاویزات کی نقول فراہم کی گئیں جن کے لیے میں نے اپنے ۲۴ اور ۲۵ جنوری کی درخواست میں کہا تھا میرا وکیل ۲۶ تاریخ کو کوٹ لکھپت جیل میں یہ پوچھنے آیا کہ کیا مجھے دستاویزات مل گئی ہیں چونکہ دستاویزات نہیں ملی تھیں میں نے اسے نفی میں جواب دیا، ۲۷ تاریخ کو بھی میرا وکیل کوٹ لکھپت جیل میں مجھ سے ملنے آیا اور میں نے اسے وہی جواب دیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اس صورت میں اس کے لیے ممکن نہ ہوگا کہ وہ مجھے کوئی قانونی مشورہ دے سکے۔ اور جب ۲۸ تاریخ کو عدالت دوبارہ لگے گی تو مجھے خود اپنا دفاع کرنا پڑے گا۔ ۲۸ تاریخ کو سماعت پھر بند کمرے میں ہوئی۔ یاد رہے کہ میں نے آنریبل بنچ کو بتایا تھا کہ ۲۵ تاریخ سے میں علیل تھا اور میں نے تجویز بھی پیش کی تھی کہ اگر عدالت پسند کرے تو میرے طبی معائنے کے لیے ایک میڈیکل بورڈ بھیجے لیکن نہ تو ۲۶ یا ۲۷ تاریخ کو کوئی میڈیکل بورڈ آیا، نہ سماعت ایک دن کے لیے بھی ملتوی ہوئی حالانکہ میں بیمار تھا۔ یہ سچ ہے کہ میں نے التوا کے لیے نہیں کہا لیکن میں نے ایسی درخواست کرنا غیر ضروری سمجھا۔ ۲۸ تاریخ کو کارروائی بند کمرے میں کرنے کے بارے میں آنریبل بنچ کے حکم کی ایک نقل مجھے فراہم کی گئی۔ مجھے اپنے ۲۴ جنوری کے بیان کی بھی ایک نقل دی گئی لیکن مجھے اپنے ۲۵ جنوری کے بیان کی نقل فراہم نہیں کی گئی۔ مجھ سے کہا گیا کہ کارروائی چونکہ بند کمرے میں ہو رہی ہے اور یہ کہ ۲۵ جنوری کی کارروائی بھی بند کمرے میں ہوئی تھی، میرا ۲۵ جنوری کا بیان جو بند کمرے میں ہوا تھا مجھے فراہم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کارروائی بند کمرے میں ہو رہی ہے۔ مزید برآں میرے اپنے وکیل سے مشورہ کرنے کے بارے میں کچھ "ہاں" اور "نا" قسم کی بات ہو رہی تھی اور بالآخر مجھے اپنے وکیل کو عدالت میں بلانے اور اس سے ملنے کی اجازت دی گئی۔ بمشکل میں اس سے مل سکا تھا، ابھی مجھے پورا موقعہ بھی نہ ملا تھا کہ بیان اور عدالت کا حکم نامہ پڑھنے سے پہلے اسے مختصراً اس کا

پس منظر بتاؤں، کہ ایک پولیس افسر نے جو یہاں بیٹھا ہے کمرے میں آیا اور کہا کہ مجھے عدالت میں واپس طلب کیا جا رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ آنریبل عدالت سے مجھے کچھ مزید وقت دینے کی درخواست کرے۔ کیونکہ میرا وکیل بیان پڑھ رہا تھا۔ وہ دوسری مرتبہ آیا۔ اور کہا کہ مجھے فوری طور پر عدالت میں طلب کیا گیا ہے۔ ان حالات میں میں کمرۂ عدالت میں واپس گیا۔ جب میں کمرۂ عدالت میں گیا تو میں نے بتایا کہ مجھے اپنے وکیل سے مشورہ کرنے کا موقعہ نہیں ملا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے بیان کے اس صفحے کا حوالہ بھی دیا۔ جسے وکیل کو وہیں ختم کرنا پڑا۔ کیونکہ مجھے عدالت میں واپس طلب کیا گیا تھا۔ لہٰذا میں صرف برائے نام اپنے وکیل سے مشورہ کر سکا تھا۔ یہ محض رسمًا تھا۔ جب میں نے بند کمرے میں سماعت کے بارے میں آنریبل عدالت کا حکم نامہ پڑھا، حالانکہ جہاں تک قانون کا تعلق ہے، میں ایک عام آدمی ہوں، میں نے آنریبل عدالت کو بتایا کہ بند کمرے میں سماعت کے لیے حکمنامے میں جو وجوہات بتائی گئی ہیں، درحقیقت جانبداری کے معانی کی حد تک ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ عدالت بند کمرے میں سماعت چاہتی تھی جب کہ جانبداری کا سوال اٹھایا جا چکا تھا، کیونکہ حکمنامے کے مطابق عدالت کو الزامات کا جواب دینے سے روک دیا گیا تھا نہ جانے کس بنا پر مجھے کہنا پڑا جانبداری کی بنا پر۔ لیکن ہم غیر جانبداری کے سوال پر نہیں آئے تھے، ہم اس موضوع سے بہت دور تھے۔ ۲۵ تاریخ کو مجھ سے ہنوز سوالات کیے جا رہے تھے اور بہت سے سوالات ۲۵ تاریخ کو پوچھنے کے لیے رہ گئے تھے۔ اس کے بعد مجھے بدنیتی کے سوال پر کہنا تھا اور آخر میں جانبداری کے سوال کو چھونا تھا۔ لہٰذا حکمنامہ کے نکتہ نظر سے بھی جس وقت جانبداری کا سوال اٹھایا جاتا تو کارروائی بند کمرے کی کارروائی میں تبدیل کر دی جا سکتی تھی۔ اس سے میری معروضات کو مزید تقویت ملتی ہے کہ کارروائی غیر قانونی ہے۔ میری رائے میں یہ بنیادی طور پر ہی غیر قانونی ہے۔ جیسا کہ میں نے اس روز کہا تھا۔ استغاثہ کے لیے ایک قانون اور میرے لیے دوسرا قانون نہیں ہو سکتا۔ ۲۸ تاریخ کو بھی میں نے یہ بھی کہا تھا کہ جب مقدمہ فوجی عدالت سے سول عدالت میں منتقل کیا گیا تھا تو حقیقی معنوں میں یقین دہانی تھی، کہ

سماعت کھلی عدالت میں ہوگی۔ اس پر چیف جسٹس نے تفنن اور مسکراہٹ کا مظاہرہ کیا تھا۔ جیسا کہ انہوں نے ابھی ابھی کیا ہے۔ میں اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا تھا لیکن میں نے وہ معروضات برائے نام نہیں کی تھی، لیکن جب کہ چیف جسٹس نے سوچا کہ وہ درخواست وزن نہیں رکھتی تھی، میں انہیں اب یہ بتانا چاہتا ہوں کہ غیر ملکی لیڈروں کی خاصی تعداد کو، جو پاکستان کے دوست ہیں، یہ یقین دہانی کرائی گئی تھی۔ انہیں کہا گیا تھا کہ مجھ پر دن کی روشنی میں کھلی سول عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ کیونکہ میں چیف جسٹس کے اظہار رائے کے حوالے دیتے رہنا نہیں چاہتا۔ دوسرے الفاظ میں، ساری باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے، کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے سے انکار کرنا غیر قانونی ہے اور یہ غیر قانونی نہ صرف قانون کے عام اصولوں کی بنا پر ہے، نہ صرف دادرسی کی بنا پر ہے بلکہ اس آنریبل عدالت کے حکمنامے کی بنیاد پر بھی ہے یہ حکمنامہ خود قانونی حیثیت نہیں رکھتا جیسا کہ میں نے وضاحت کی ہے۔ اگر ضروری ہوا تو بند کمرے میں کارروائی کم سے کم حد تک ہونی چاہیئے اور اس کم سے کم حد کی تعریف آنریبل عدالت کے حکمنامے میں کی گئی ہے تاہم اس سے بہت پہلے کہ ہم جانبداری کے موضوع پر آتے، سماعت، ایک کھلی سماعت سے خفیہ سماعت میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔ میں سمجھتا ہوں سماعت کے ختم ہو جانے تک اسے بند کمرے میں کرنے کا بعد میں ایک حکم جاری کیا گیا ہے۔ میں نے یہ حکمنامہ نہیں دیکھا۔ میں نے اخبارات میں پڑھا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ پریس رپورٹ کس حد تک صحیح ہے لیکن یہ پریس رپورٹ بتاتی ہے کہ سماعت اپنے ختم ہو جانے تک بند کمرے میں ہوتی رہے گی کیونکہ ۳۱ جنوری یا یکم فروری کو چیف جسٹس کے چیمبرز سے باہر میرے حامیوں نے ہلڑ بازی کی تھی۔ یہ سچ بھی ہو سکتا ہے۔ میں ہرگز نہیں کہوں گا کہ یہ سچ نہیں ہے۔ لیکن ہم نے گذشتہ ساڑھے تین ماہ میں دیکھا ہے کہ لاہور ہائی کورٹ، کم از کم اس کا یہ حصہ فی الواقع ایک مسلح کیمپ ہے ہر جگہ پولیس ہے۔ گیٹ پر پولیس کی پوری جمعیت ہے۔ گیلریوں میں پولیس ہے۔ چیف جسٹس کے چیمبرز کے اطراف میں پولیس ہے، درحقیقت جب عدالت کا کھلا اجلاس ہو رہا تھا تو وکلا اور عام شہریوں کے لیے اس کمرے میں داخل ہونا تقریباً ناممکن تھا۔

اس کی مثال اس وقت ہمارے سامنے ہے باوجودیکہ سماعت بند کمرے میں ہو رہی ہے مجھے پولیس نے گھیر رکھا ہے۔ میں تانکا جھانکی کرنے والوں کے سامنے کاغذ کا ایک پرزہ بھی کھول نہیں سکتا۔ جب مجھے پولیس کی معیت میں، اس کمرے میں لے جایا جاتا ہے جہاں میں بیٹھتا ہوں، تو دروازے فوراً بند کر دیئے جاتے ہیں اور پولیس کے دو مسلح سپاہی ان کے سامنے تعینات کر دیئے جاتے ہیں ان حالات میں کوئی سپرمین ہی آنریبل چیف جسٹس کے چیمبرز کے سامنے دنگا فساد کرنے کے لئے ان تمام جنگلوں اور مورچوں کو عبور کر سکتا ہے۔ ہم نے ساڑھے تین ماہ کی سماعت کے دوران دیکھا ہے کہ کوئی ہلڑبازی نہیں ہوئی۔ کوئی گڑبڑ ممکن نہیں ہے۔ نہ صرف پولیس کو اس یقین دہانی کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ بلکہ مسلح افواج کے کچھ افراد کو بھی مختلف مرحلوں پر اس میں ملوث کیا گیا ہے۔ لہٰذا مقدمہ ختم ہونے تک سماعت بند کمرے میں کئے جانے کا دوسرا حکم نامہ بھی غیر قانونی ہے۔ دونوں احکامات غیر قانونی ہیں، پہلا اور اس کے بعد کا۔ بند کمرے میں سارا مقدمہ غیر قانونی ہے۔ مجھے وہ موقعہ نہیں دیا گیا ہے، جس کی یقین دہانی کرائی گئی تھی، کہ "میرے خلاف یہ مقدمہ کیوں" کے بارے میں اپنا موقف بیان کر سکوں۔ مجھے یہ موقعہ فراہم کرنے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ اس یقین دہانی کے باوجود جو ۲۴ تاریخ کو کرائی گئی تھی یہ موقعہ فراہم کرنے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ انکار اس لئے کیا گیا ہے کہ ۲۵ تاریخ کو یہ مقدمہ غیر قانونی طور پر بند کمرے کے مقدمے میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ سوال کرنے کے سوال سے پہلے ہی اسے بند کمرے کے مقدمے میں بدل دیا گیا۔ قانون میں ایسی کوئی وجہ نہیں کہ مجھے یہ موقعہ فراہم کرنے سے انکار کر دیا جائے۔ یہ میرے مقدمے کے لئے نہایت اہم تھا۔ درحقیقت یہ میرے مقدمے کا عقدہ تھا۔ یہ میرے مقدمے کا اس لئے عقدہ تھا کہ جنتا کی بدنیتی کو ثابت کر سکوں کہ مجھے کس طرح غیر قانونی طور پر پیش کیا گیا ہے۔ لیکن مجھے جان بوجھ کر موقعہ فراہم نہیں کیا گیا۔ مقدمہ متعلقہ وقت تک اندھیرے میں رکھا گیا اور مجھے تاریکی میں رکھا گیا۔ مجھے اس بنا پر خود میرے بیان کی نقل مہیا نہیں کی گئی کہ مقدمے کی سماعت بند کمرے میں ہو رہی ہے لیکن مشرکلائے الزام کے بیانات کو پریس میں وسیع پبلسٹی دی جا رہی ہے۔ گو سماعت بند کمرے میں ہو رہی ہے۔ اس سے میری مراد "دوہرا معیار" ہے۔ اس سے میری مراد انصاف سے برملا انکار ہے۔ میرے ۲۵ تاریخ اور ۲۶ تاریخ کے بیانات کے چند معنوی حصے بھی ریکارڈ نہیں کئے گئے۔ ریکارڈ میں نہایت اہم اور خطرناک شگاف ہیں۔ ۲۸ تاریخ کو جب میں نے اپنے دوست سے کہا، ان میں سے ایک (کارروائی کو ٹائپ کرنے والا) جب میں نے کہا! "براہ کرم لکھ لو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں"۔ تو چیف جسٹس نے کہا کہ ہم تمہاری ساری باتیں ریکارڈ پر لانے کے پابند نہیں ہیں۔ ۳۱ جنوری کو، اگر مجھے صحیح بتایا گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ مجھے صحیح بتایا گیا ہے، چیف جسٹس نے دو برطانوی صحافیوں کو دوسرا انٹرویو دیا۔ یہ غیر ملکی صحافیوں کو دوسرا انٹرویو دیا گیا تھا جب کہ اس مقدمے کی سماعت ہو رہی ہے۔ جب کہ قتل کے مقدمے کی سماعت ہو رہی ہے یا اس مقدمے کا قتل ہو رہا ہے یقیناً اس مرحلے پر، مجھے بتایا گیا کہ انٹرویو آف دی ریکارڈ تھا۔ اس موضوع پر، شاید ہمارے مختلف پیشوں کی بنا پر، میں یہ کہنا چاہوں گا کہ "ایک آف دی ریکارڈ" انٹرویو قسم کی کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ لفظ "آف دی ریکارڈ" استعمال کر سکتے ہیں لیکن جب آپ صحافیوں سے باتیں کرتے ہیں تو یہ آف دی ریکارڈ نہیں ہوتا۔ ہر چند کہ آپ یہی کہیں۔ اور صحافیوں نے اس موضوع پر باتیں کہی ہیں۔

جب آنریبل مسٹر جسٹس قریشی نے مجھ سے پوچھا کہ آیا میں بیان پر دستخط کرنا چاہتا ہوں تو میں نے اس نامکمل بیان پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے اُسے رد کر دیا۔ نہ صرف یہ کہ میں نے بیان پر دستخط نہیں کئے بلکہ میں نے ان سوالوں میں سے بھی کسی کا جواب نہ دیا۔ جو پہلے سوال کے بعد مجھ سے کئے گئے تھے۔ دوسرے الفاظ میں سوالوں کے جواب نہیں دیئے گئے اور بیان پر دستخط نہیں کئے گئے۔ اس کے بعد میں نے مسٹر رحمٰن کو بڑی تشویش میں مبتلا دیکھا کہ میں اس میں اپنی شمولیت کی حد تک ٹائپ اور گرامر کی غلطیوں کو درست کر دوں۔ میں ایک پیشہ ور وکیل نہیں ہوں۔ میں نے آنریبل ججوں کی طرف دیکھا اور مجھے بتایا گیا کہ "اس میں کوئی فریب نہیں ہے" اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ میرے لئے یہ مناسب ہے کہ تصحیح کی میکانزم سے ایک خاص حد تک گزروں۔ میں نے اعتماد کی فضا میں اسے لے لیا۔ میں نے اس نوعیت کی چال کی توقع نہیں کی۔ حالانکہ مجھے گذشتہ تجربات کو سامنے رکھنا چاہیئے تھا۔ اس کے بعد بھی، جب میں نے انہیں تجسس سے بلبلاتے دیکھا تو بیان کو بند کر دیا اور جب ڈپٹی رجسٹرار بھی اسے مجھ سے حاصل کرنے کے لئے بے تاب نظر آیا تو میں نے اپنے ہاتھ اس طرح رکھ لئے۔ میں نے اسے انتظار کرنے کو کہا تاکہ میں اس پر غور کر سکوں میں نے اس معاملے پر غور کیا۔ میں نے اس گہرے تعصب گہری جانبداری کا احاطہ کیا اور اس نامناسب سلوک کو سامنے رکھا جو میرے ساتھ اس ساری کارروائی میں روا رکھا گیا تھا۔ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو سامنے رکھا لیکن میں نے اپنے آپ سے کہا کہ کوئی مجھے اس بات کا یقین دلانے کے بعد کہ اس میں کوئی چال نہیں ہے، اس قسم کی فریب کاری کی اتنی نچلی سطح تک خود کو ملوث نہیں کر سکتا۔ لہٰذا میں نے یہی موقف اختیار کیا کہ میرا بیان نامکمل ہے، کہ اس کے بنیادی اور اہم حصے ریکارڈ پر نہیں لائے گئے ہیں، کہ مجھے اپنے وکلاء سے مشورہ کرنے کے لئے مناسب وقت نہیں دیا گیا جب کہ سماعت کو بند کمرے کی سماعت میں بدل دیا گیا تھا۔ مجھے میرے بیان کی نقول اس بنیاد پر نہیں دی گئیں کہ کارروائی بند کمرے میں ہوتی ہے۔ مجھے اس حکمنامے کے بارے میں، جس کے تحت سماعت کو بند کمرے میں شروع کیا گیا تھا، اپنے وکیل سے مشورہ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مجھے وہ دوسرا حکم نامہ نہیں دکھایا گیا جس کے تحت مقدمے کو آخر تک بند کمرے میں ہونا تھا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے کوئی دنگا فساد نہیں ہوا۔ موجودہ حالات میں جو یہاں ہیں، دنگا فساد ہو ہی نہیں سکتا۔ اس یقین دہانی کے باوجود کہ مجھے اپنے خلاف اس جھوٹے مقدمے کی وجوہات بیان کرنے کا پورا موقعہ فراہم کیا جائے گا۔ یہ چند مخصوص غیر قانونی باتیں ہیں۔ ان مخصوص اور صریحاً غیر قانونی باتوں کے پیش نظر، یہ مقدمہ کالعدم ہے یہ غیر قانونی ہے اور اس کا مطلب انصاف سے انکار کرنا ہے۔

(نوٹ: ملزم کہتا ہے کہ انہیں اس وقت کچھ نہیں کہنا ہے)

نورجہاں بھی آزادیٔ اظہار پر یقین نہیں رکھتی تھی

داستانِ جدوجہد - ۱

علی احمد خان

بچپن میں مجھے جھوٹ بولنے پر اتنی مار کھانی پڑی کہ مجبوراً سچ بولنے لگا اور سن شعور کو پہنچنے کے بعد سے اب تک سچ بولنے کے نتیجے میں جو صعوبتیں جھیلنی پڑ رہی ہیں ان سے اندازہ ہے کہ جلد ہی جھوٹ بولنے لگوں گا اور قبر تک پہنچتے پہنچتے تو غالباً یہ اندیشہ عادت کی شکل اختیار کر لے اور میدان حشر میں شاید نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ میرے مخالفین مارے شرم کے مجھ سے آنکھ ملاتے ہوئے گھبرائیں اور میں اُن کی شان میں قصیدہ کہتا ہوا نظر آؤں اور عین ممکن ہے کہ خداوندِ لاشریک میری اِس جھوٹی گواہی پر میرے دشمنوں اور مخالفین کو معاف کر دے اس لئے کہ وہ خالقِ حقیقی ہے اور تخلیق کی صفت رحم و کرم پیار و محبت وسیع النظری وسیع القلبی سے ہی پیدا ہوتی ہے جس میں وہ یقینی یگانہ دیکتا ہے

اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ میں اپنی روداد قفس بیان کرنے لگا ہوں جسے جھوٹ سمجھ کر پڑھا جائے اس لئے کہ لمبے سچے سمجھنے کے لیے ہمیں وقت کی طنابیں کھینچ کر بربریت اور بہیمیت کے اس دور میں واپس جانا پڑے گا جہاں حکمرانِ وقت کے ایک اشارہ پر سینکڑوں سر تن سے جدا ہو جاتے تھے۔

سوچتا ہوں یہ روداد کہاں سے شروع کروں۔

اس لئے کہ جہاں سے بھی شروع کرنا چاہتا ہوں محسوس یہ ہوتا ہے کہ بات اس سے پہلے کی ہے۔ بہرحال اپنی آسانی کے لئے اِس دن سے شروع کرتا ہوں جس دن فخر اعظمی اور امیر محمد خاں نے لاہور کا ٹکٹ حوالے کیا اور ہدایت کی غوثی اور اس کے لیاقت علی کے ساتھ آپ کل روانہ ہو جائیں۔

لاہور جانے کا تصوّر ہی بڑا دل خوشکن تھا بہت دن ہو گئے تھے۔ اس بہانے کچھ پرانے دوستوں سے ملاقات کا موقع ہاتھ آ رہا تھا شبر صاحب کے ہاتھ سے فوراً ٹکٹ اچک لیا کہ کہیں ان کا ارادہ بدل نہ جائے غوثی بھی غالباً روز تجارت میں خسارہ اور منافع کی خبریں بناتے بناتے تنگ آ چکے تھے۔ فوراً تیار ہو گئے۔

ٹکٹ لے کر گھر پہنچے۔ گھنٹی بجائی تو بیوی نے کراہتے ہوئے دروازہ کھولا میں نے وجہ پوچھی معلوم ہوا دن کو سیڑھیاں اُترتے ہوئے پھسل گئی جس کے نتیجہ میں کمر سے نیچے کی ہر ہڈی چلا اٹھی تسلی تشفی کے بعد ٹکٹ دکھایا تو یک بہ یک درد کی شدّت میں اضافہ ہو گیا میں نے سمجھا یا کہ زینے سے پھسلنے اور ہاتھ پر توڑنے کے مواقع آتے ہی رہتے ہیں ایسی تحریکوں کے مواقع مشکل

ہے۔ اس لیے اگر ہمت کر کے یہ تکلیف برداشت کر لو تو یہ دو تین دن میں تھوڑا بہت سرخرو ہو جاؤں گا۔ اس لئے کہ وطن عزیز میں عزت و افتخار کے حصول کا یہی ایک ذریعہ باقی رہ گیا ہے بیچاری حالات کی ماری ہوئی ہے فوراً راضی ہو گئی۔

دوسرے دن یعنی ۲۔ مئی کو سپر ایکسپریس سے جانا تھا۔ صبح صبح دفتر پہنچا۔ ایڈیٹر صاحب کی میز پر اپنی روانگی کی اطلاع رکھ کر پریس کلب پہنچ گیا۔ پریس کلب میں غوثی بھی موجود تھے۔ ہر ایک سے اپنی روانگی کا ذکر ایسے کر رہے تھے جیسے چاند پر جا رہے ہوں بار بار ایا جوش میں بھی آتے ہیں تو ہوش میں رہتے ہیں۔ ڈانٹا کہ شور مت مچاؤ ورنہ صحافیوں کے بھیس میں کچھ کرگے بیٹھے ہوئے ہیں اگر انھیں معلوم ہو گیا تو پلیٹ فارم تک پہنچنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ چنانچہ ہم لوگ چپکے سے گھر کی جانب روانہ ہو گئے تاکہ رخت سفر باندھا جائے۔

غوثی نے راستہ میں ایک جانگھیا خریدا اس لئے کہ بقول احفاظ الرحمن کے ایام اسیری میں شلوار قمیص سے زیادہ کام آتی ہے۔ احفاظ ایک دن پہلے جوہر میر سمرن ریاض اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ کیمپ جیل لاہور سے صوبہ بدر ہو کر کراچی واپس پہنچ چکے تھے۔ میں نے گھر پہنچ کر ایک تھیلے میں ضروری سامان رکھا، کھانا کھایا بیوی کے سامنے تحریک کی وضاحت کرتے ہوئے ایک بصیرت افروز تقریر کی۔ ماں کو جو پہلے ہی اپنے سہاگ اور تین جوان بیٹوں کو بنگلہ دیش کی نذر کر چکی تھی اپنے سفر کی غرض و غایت سے آگاہ کیا۔ دو سو روپے لئے اور سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا۔ دو نمبر کی بس پر اس طرح بیٹھ گیا جیسے اس میں بیٹھے ہوئے تمام مسافر مساوات کے لیے بھوک ہڑتال میں شریک ہونے کے لئے لاہور جا رہے ہوں کوئی چار بجے پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔ غالباً دس نمبر کی بوگی تھی۔ اس کے لیاقت علی پہلے سے سیٹ پر قبضہ کئے بیٹھے تھے۔ بڑی کلف دار قمیض اور شلوار ڈانٹی ہوئی تھی ہاتھ میں ہائی لائیٹ سگریٹ کا پیکٹ تھا۔ اطمینان ہوا کہ یہی میری بھی برانڈ ہے تھوڑی دیر بعد غوثی بھی پہنچ گئے۔ ان کے ہاتھ میں کیپسٹن کی دو چار ڈبیاں تھیں مزید اطمینان ہوا کہ جب لیاقت کی ہائی لائٹ ختم ہو جائے گی تو غوثی کی کیپسٹن شروع کر دوں گا۔ صرف ذرا اپنی برانڈ بدلنی ہو گی تو وہ میرے لئے کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے۔ اس لئے کہ سگریٹ پینے کی عادت کے ساتھ مجھے برانڈ بدلنے کی بھی عادت ہے

امید تھی کہ کچھ لوگ اسٹیشن پر الوداع کہنے آئیں گے۔ ہار وغیرہ بھی گلے میں ڈالیں گے ممکن ہے سفر کے خرچے کے لیے کچھ رقم بھی۔ لیکن اسٹیشن پر الوداع کہنے والوں کی بات تو الگ یوں بھی کوئی جانی پہچانی شکل نہیں دکھائی دی۔ سخت کوفت ہوئی غوثی نے سمجھایا بھی کہ وہ لوگ دوسرے کاموں میں مشغول ہوں گے اور یہ الوداع وغیرہ کہنے والی بات بہت دقیانوسی ہے۔ بظاہر تو میں نے ان کی بات مان لی لیکن دل ہی دل میں سب کو کوستا رہا کہ اگر دو منٹ کے لئے دو چار آدمی آجاتے تو کون سی مصیبت آجاتی۔

ٹرین میں دو سیٹ اور ایک برتھ ریزرو کرائی گئی تھی۔ تاکہ راستہ میں باری باری جاگتے سوتے جائیں گے ڈبے کے اندر ایک ہجوم تھا اور یقین ہی نہیں آتا تھا کہ ایک ڈبے میں اتنے سارے آدمی آ بھی سکیں گے یا نہیں پھر غوثی صاحب نے اپنی فراخدلی کا ثبوت دیا کہ گاڑی چلے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا یہاں تک کہ دو بچوں کو اپنی سیٹ پر جگہ بھی دے دی اور میری طرف کھسک آئے میں نے بہت سمجھایا کہ بھائی پوری رات گذارنی ہے اگر بچوں کی معصومیت پر آپ یونہی فریفتہ ہوتے رہے تو پھر سفر ہو چکا لیکن انکے نزدیک رات گزارنی کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ ہر بار یہی کہہ کر مجھے چپ کرا دیتے کہ بس تھوڑی دیر کی بات ہے سویرا ہو جائے گا پھر لاہور پہنچ کر ہی اطمینان سے سوئینگے۔

حیدر آباد پہنچتے پہنچتے میں لیاقت کی ہائی لائٹ سے غوثی کی کیپسٹن پر منتقل ہو چکا تھا اور ساتھی مسافروں کے ہاتھوں دو چار کوٹ کھانے کے بعد تاش کی گڈی لپیٹ کر لمبی تاننے کے لئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لیاقت نے اوپر کی برتھ ایک بڑے میاں سے خالی کرائی جنھیں ازراہ ہمدردی سونے کی اجازت دی گئی تھی لیکن جب خود نیند آنے لگی تو یک بہ یک احساس ہوا کہ برتھ ہمارے نام بک ہے غوثی بڑی مستقل مزاجی سے اسپین کی خانہ جنگی سے متعلق ایک انگریزی کتاب کے مطالعے میں مشغول تھے اور فرانکو کے اسپین اور وطن عزیز میں مماثلت کے تمام پہلو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہمیں سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جس سے لوگوں پر انکی قابلیت کا رعب زیادہ بیٹھ رہا تھا اور میری سمجھ میں بات کم آ رہی تھی۔ ہر اسٹیشن پر بوتلیں اور لسی وغیرہ کے قسم کی چیزیں بھی خریدتے جاتے اور بڑی فراخدلی سے مجھے لیاقت اور دوسرے لوگوں کو بھی پلاتے جاتے۔ غیرت تو گوارا نہیں کرتی تھی کہ انکی اس سخاوت کا سکہ بیٹھنے دوں لیکن پینٹ اتنی تنگ تھی کہ جب بھی جیب سے پیسہ نکالوں وہ قیمت ادا کر چکے ہوتے۔ بعد میں خیال آیا کہ اچھا ہوا غیرت زیادہ نہیں جاگی ورنہ ساری رقم شاید لسی اور ٹھنڈی بوتلوں کی نذر ہو جاتی۔

میں اوپر جا کر سو گیا اور جب آنکھ کھلی تو ملتان کی آمد آمد تھی۔ سحر کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ غوثی نے کہا بھائی یہاں اتر کے چائے پئیں گے چنانچہ جیسے ہی گاڑی رکی کھڑکی سے کود کر نیچے اترے اور ایک ٹی اسٹال پر لائین میں کھڑے ہو گئے چائے کچھ اتنی گرم تھی جیسے چولہے پر پکانے کے بجائے کسی آتش فشاں کے دہانے سے اتاری گئی ہو جلدی سے پرچ میں انڈیلی کر دو سڑکے میں ختم کی اور پیسے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہی جیب کی تنگی آڑے آئی۔ اس عرصہ میں غوثی پیسے ادا کر چکے تھے۔ میں نے کسی کی شخص کو اپنی بڑائی جتلانے میں اتنا حریص نہیں دیکھا۔ دوڑ کر گاڑی میں کودے اس لئے کہ یہاں گاڑی بہت زیادہ دیر نہیں رکتی۔ بلکہ عام طور پر اسٹیشنوں پر کم رکتی ہے۔ اسٹیشنوں کے درمیان زیادہ رکتی ہے۔ یہ مسئلہ ہر ٹرین کے ساتھ ہے اور اتنا عام ہے کہ محسوس نہیں ہوتا۔ ساہیوال آیا اور پھر خانپور یا خانیوال جہاں پلیٹ فارم پر یہ ہدایت درج تھی کہ اب بجلی کا انجن استعمال کیا جائے گا اس لئے ٹرین سے باہر نہ لٹکیں نہ سر ہاتھ وغیرہ کھڑکی سے باہر نکالیں بڑی حیرت ہوئی کہ صرف ایندھن کی نوعیت بدل جانے سے ٹرین میں سفر کی خاصیت بدل گئی اگر یہی صورت حال رہی تو میرا خیال ہے بجلی کے عام استعمال سے تو سب کچھ بدل جائے گا اقتصادی رشتے ثقافتی اقدار اور سیاسی نظریات وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال سورج کے چڑھنے کے ساتھ ساتھ لاہور قریب آتا جا رہا تھا۔ گرمی کی شدت میں بھی خاصی سرعت سے اضافہ ہو رہا تھا کہ کوٹ لکھپت آگیا اور گاڑی اسٹاپ یا بغیر اسٹاپ کے رک گئی اور اتنی دیر رکی رہی کہ مجھے شک گزرنے لگا کہ کہیں یہیں گرفتار کر کے ہمیں جیل نہ پہنچا دیں۔

غوثی نے بتایا کہ جب ایک دلوار برجنت کے بارے میں انکشافات سے متعلق ایک کتاب کا اشتہار نظر

آئے تو سمجھا لاہور قریب آگیا چنانچہ نوشتۂ دیوار پڑھنے میں مصروف ہو گئے لیکن وہاں مردانہ کمزوری کے موثر علاج کے علاوہ کوئی ایسی اعلامت نظر نہیں آئی جس سے لاہور کی آمد کا احساس ہوتا

آخر کار ایک دیوار دکھائی دی جو غالباً کسی کارخانہ کی چہار دیواری تھی اس کے آگے ایک خاصہ طویل و عریض گڑھا تھا۔ جو گدلے پانی سے بھرا ہوا تھا اور کچھ بچے بھینسوں پر سوار اس میں ایک دوسرے پر چھینٹے اڑا رہے تھے۔ انتہائی غلیظ بچے، ننگے بدن صرف کمر میں ایک لنگوٹی کے قسم کا کپڑا چپکا ہوا تھا۔ میرے اپنے بچوں کی طرح فرق صرف اتنا تھا کہ میرے بچے گھر کی چہار دیواری میں اس حال میں رہتے ہیں اور اگر باہر جائیں یا گھر میں کوئی مہمان آجائے تو عید والا جوڑا پہن لیتے ہیں جو اس مقصد کے لئے خاص طور پر ہر وقت دھلا ہوا رکھا رہتا ہے دیوار پر جنت میں آسائشوں کے متعلق کتاب کے اشتہارات بڑی عبارت میں رقم تھے اور گڑھے کے گدلے پانی میں بھینسوں کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے معصوم بچوں کے چہروں پر جہنم کے عذاب کا کرب نمایاں تھا۔ اطمینان کی بات یہ تھی کہ ان بچوں کے لئے ابھی انکی روشنیٔ طبع بلا نہیں بنی تھی

غوثی نے مژدہ سنایا لاہور آگیا لیکن ہنوز دلی دور است کے مصداق لاہور اب بھی دور تھا اس لئے کہ گاڑی کسی اسٹیشن پر رک گئی تھی اور ایسی رکی تھی جیسے ایک زوال پذیر نظام اپنی افادیت کھونے کے بعد قائم رہتا ہے۔ بہت سے مسافر وہیں اتر گئے کچھ کے گھر قریب تھے کچھ کو یقین تھا کہ وہ ٹرین سے پہلے لاہور اسٹیشن پہنچ جائیں گے یہ ان کی مایوسی تھی یا خود اعتمادی بہر حال گاڑی تقریباً خالی ہو چکی تھی۔ میں لوگوں سے تاخیر کی وجہ پوچھنے میں مصروف رہا لیاقت دو کھیرے کٹوا لائے جو اپنی جسامت کے اعتبار سے کدو سے کم نہیں تھے۔ غوثی اسپین کی خانہ جنگی میں ہی مصروف رہے۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور دونوں کھیرے کھا گیا جس کی ڈکاریں شام تک آتی رہیں

آخر کار گاڑی چل پڑی میں نے صراحی میں بچے ہوئے پانی سے دو چھپکے منہ پر ڈالے بال سنوارے آنکھوں پر چشمہ درست کیا اور قمیض وغیرہ درست کر کے تیار ہو گیا۔ امید تھی لاہور پلیٹ فارم پر لمبے جھنڈا لئے منتظر کھڑے ہوں گے لیکن وہاں بھی وہی کراچی کا عالم تھا اپنی حیثیت کا احساس شدت اختیار کر گیا لیکن پھر غوثی آڑے آئے "ارے یار کوئی ضروری ہے کہ کوئی رخصت کرنے اور کوئی خوش آمدید کہنے آئے بس لاہور آگئے اب پریس کلب چلتے ہیں وہاں سب سے ملاقات ہو جائیگی ایک تانگہ والے سے چیرنگ کراس چلنے کے لئے کہا۔ بات پانچ روپے پر طے ہوئی میرا لاہور آنے کا یہ تیسرا اتفاق تھا لیکن میں لاہور سے اب تک ناواقف ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ اتفاقات سے زندگی کے رخ کا تو یقین ہو جاتا ہے باتیں مشکل سے سمجھ میں آتی ہیں۔

چیرنگ کراس پہنچے۔ غوثی کچھ کنفوز ہو گئے تانگہ سے وہیں اتر گئے۔ اور مسجدِ شہداء کا پتہ پوچھنے لگے۔ مجھے تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی کہ آئے ہیں اپنے آٹھ نکاتی مطالبات کی جدوجہد میں شریک ہونے اور پوچھ رہے ہیں مسجد شہداء کا پتہ ایک صاحب نے

جنت کی آسائشیں

اور جہنم کے

عذاب کا کرب

کچھ اس انداز سے ہاتھ اٹھا کر مسجد شہدا کی جانب اشارہ کیا جیسے مسجد شہداء لاہور میں نہیں بلکہ دور کہیں افق کے اس پار ہو غوثی اور لیاقت اس طرح اس سمت چل پڑے جیسے کولمبس ہندوستان کی تلاش میں ایسے ہی کسی اشارہ پر چل پڑا تھا مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ مسجد شہداء ملے نہ ملے کچھ اور ضرور مل جائے گا اور جستجو اور تلاش کے جرم میں ہمیں بھی کولمبس کی طرح آخری عمر جیل خانہ میں نہ گزارنی پڑے بہر کیف مسجد شہداء پہنچ گئے۔ پھر کسی سے پوچھا گیار وزنامہ ... کا دفتر کہاں ہے اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا میں نے پوچھا بھائی پریس کلب کا پتہ کیوں نہیں پوچھتے۔ کہنے لگے پریس کلب ... کے دفتر کی عمارت میں ہے۔ چنانچہ ... کے دفتر پہنچ گئے۔ غوثی نے اپنی صحافتی زندگی کی ابتداء غالباً ... سے کی تھی اور اب تک تین ماہ کی تنخواہ، پراویڈنٹ فنڈ اور دوسرے واجبات کے دعویدار ہیں خیر ... کے دفتر پہنچے تو معلوم ہوا کہ غوثی کو ہر آدمی جانتا ہے سوا ایک خاتون کے جنکی شکل صورت اور سج دھج سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ یقینی غوثی کے بعد اور ... کے دورِ انحطاط میں داخل ہوئی ہیں۔ غوثی کے طفیل ہمیں کسی کولا کی بوتل ملی جو یقیناً فرحت بخش تھی۔ اس کے بعد پریس کلب پہنچے کچھ لوگ کیرم بورڈ کھیل رہے تھے اندر صوفے وغیرہ بھی لگے ہوئے تھے۔ مساوات کے سلیمان صاحب شطرنج میں مصروف تھے۔ آؤ بھگت ہوئی۔ خیر و عافیت دریافت کی گئی کچھ سیاست پر تبادلہ خیال ہوا۔ پروفیسر غفور سے میجر اسحاق تک زیرِ بحث آئے میاں طفیل کا بھی ذکر خیر آنے والا تھا کہ سلیمان صاحب پر شہ پڑ گئی اور وہ سیاست سے پھر شطرنج کی طرف متوجہ ہو گئے پی پی آئی کے ایک رپورٹر مسعود بیٹھے ہوئے تھے ان کے ذریعے حسین نقی کو فون پر آمد کی اطلاع کرائی گئی۔ میں حسین نقی سے دوستی کا بار بار ذکر کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں سیاست، صحافت اور صداقت میں ان کا ہم عصر ہوں اس لئے کہ ... رکھا تھا کہ وہ سیاست اور صحافت میں خاصہ مقام پیدا کر چکے ہیں۔ میرے اور بھی دوست عزیز وہاں تھے جو یقیناً میری پذیرائی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ لیکن وہ چیراسیوں اور سپاہیوں کے زمرے میں آتے ہیں اس لئے میں تو ان کا ذکر بھی دوستوں سے نہیں کرتا تھا کہ لوگ کیا سمجھیں گے کہ ان کے خاندان میں صرف ایسے ہی لوگ ہیں جبکہ لیاقت اور غوثی اپنے تمام دوستوں اور رشتہ داروں سے ملنے کے لئے بے چین تھے۔

پریس کلب میں نہانے دھونے شیو کرنے اور کپڑے بدلنے کے بعد ہم تیار ہوئے تو الطاف ملک ہلکان پریشان پہنچے۔ ابھی ہم ان سے اسٹیشن پر نہ پہنچنے کی شکایت کے لئے الفاظ ہی ڈھونڈ رہے تھے کہ وہ پسینہ میں شرابور لپٹ گئے۔ میں اسٹیشن سے بھاگا ہوا چلا آرہا ہوں"، آپ کس گیٹ سے نکل گئے مجھے سخت غصہ آیا کہ ہر گیٹ پر ایک آدمی کو موجود ہونا چاہیئے تھا۔

عزتی نے اپنی وسیع القلبی کا ثبوت دیے کی کوشش شروع کردی ارے یار اسٹیشن پر جاتے کی ضرورت ہی کیا تھی جھوٹ موٹ پریشان ہوئے ہم لوگ تو پہنچ ہی جاتے الطاف نے کہا کہ چلیں اڈے پر ذرا آرام کرلیں جیسے سچ سچ انہیں ہماری پریشانیوں کا احساس تھا پھر ایک تانگہ کیا گیا طاہر نجمی بھی آگئے۔ انھوں نے میرا تعارف کچھ اس انداز میں کرایا کہ تھوڑی سے میری مجروح انا کی تسلی ہوگئی۔

طاہر نجمی کی قیادت میں ٹھکانے کی جانب روانہ ہوئے۔ غالباً گوالمنڈی میں اسلامیہ کالج کے قریب کوئی جگہ تھی۔ سخت کوفت ہوئی میں سمجھ رہا تھا کہ یقینی گلبرگ وغیرہ کے کسی بنگلہ میں انتظام ہوگا۔ لیکن وہاں ایک نامکمل مکان کا ایک کمرہ تھا۔ جس کے بیت الخلاء کی کنڈی غائب اور غسل خانہ میں پانی کا ایک ٹب رکھا ہوا تھا کمرہ میں ایک دری اور ایک لوہے والی چارپائی پڑی ہوئی تھی کوئی دس آدمی بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے سب سے گلے ملے جیسے ہم حج کر کے آرہے ہوں یا حج کرنے جارہے ہوں۔

میں نے بصد مجبوری اپنی خوشی کا اظہار کیا لوگوں سے گلے بھی ملا اور یہ ظاہر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جیسے میں ان لوگوں کو دیکھ کر باغ باغ ہوگیا ہوں۔ عزتی اور لیاقت تو ایسے مل رہے تھے جیسے سب اُن کے رشتہ دار ہوں۔

کھانے اور پانی کا فوری انتظام کیا گیا حافظ بشیر نے مشورہ دیا کہ کھانا کھا کے ذرا آرام کرلیں ۵ بجے محاذ پر چلنا ہے۔

کون کون جا رہا ہے میں نے تجسس کا اظہار کیا معلوم ہوا عین وقت پر ناموں کا اعلان کیا جائے گا تاکہ پولیس موقع پر پہنچنے سے پہلے ہی گرفتار نہ کرلے۔ خوشتر صاحب جنکا مکان تھا وہ بھی آگئے میں نے سوچا کیسا بے وقوف آدمی ہے پورا مکان حوالے کیا ہوا ہے اگر پولیس کو پتا چل گیا تو شاید مکان ہی ضبط نہ ہوجائے میں ہوتا تو کبھی ایسی بے وقوفی نہیں کرتا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ مجھے وہاں بیٹھا ہوا ہر آدمی کچھ دیوانہ لگ رہا تھا۔ میں نے سوچا یہ لوگ گرفتار ہونے میں کیوں فخر محسوس کر رہے ہیں۔ پھر خیال آیا کہ غالباً یہ لوگ سقراط گلیلیو جیولیس فیوچک بھگت سنگھ کھدی رام اور حسن ناصر جیسے دیوانے ہیں جن کے لباس پر سرد در میں سرخ سیاہی لکھی جاتی ہے اور یہ ان داغوں کو سجا کر کوئے یار کی راہ لینے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

لوہے والی چارپائی پر لیٹ گیا ابھی سویا ہی تھا کہ کمرہ میں کچھ کھلبلی سی محسوس ہوئی آنکھ کھول کے دیکھا تو ہر آدمی تیار ہو رہا تھا شاہ جی غالباً مساوات لاہور میں خوش نویس تھے اور دیکھنے میں بڑے خاموش طبع محسوس ہوتے تھے۔ چہکتے ہوئے نظر آئے اٹھئے جناب پانچ بج گئے۔ عزتی اور لیاقت پہلے سے تیار کھڑے تھے۔ جلدی سے منہ پر دو چھپکے پانی کے مارے اور نیچے اتر آیا۔ کچھ تانگوں پر کچھ اسکوٹروں پر موقع واردات کی جانب روانہ ہوگئے۔ مساوات کے دفتر سے کچھ دور اتر گئے۔ قریب ہی ایک سینما تھا۔ اس کی کینٹین میں بٹھا دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک انتہائی نستعلیق اور مرنجاں مرنج صاحب کرتا اور علی گڑھ پاجامہ پہنے ہوئے تشریف لائے منہ میں پائپ لگا ہوا تھا ہاتھ میں تمباکو کا ڈبہ تھا تعارف کرایا گیا معلوم ہوا عزیز صدیقی ہیں پاکستان ٹائمز لاہور کے سینئر اسسٹنٹ سب ایڈیٹر مسکراتے بھی تھے تو ایسے جیسے شرما رہے ہوں، ان کے ساتھ ایک اور صاحب تھے سلیم عاصمی پاکستان ٹائمز راولپنڈی کے اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کا انداز ایسا تھا جیسے محلہ کے دادا ہوں بات ایسے کرتے تھے جیسے کسی خفیہ تنظیم کے سرغنہ ہوں ہمارے ساتھ کراچی کے محمد خاں تھے جو اپنے جلال کا مظاہرہ کئی بار سن کی انتظامیہ کے سامنے کرچکے تھے معلوم ہوا آج ان لوگوں کا نمبر ہے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اگر کہیں پولیس والوں نے انھیں گرفتار کرنے کی کوشش کی تو کچھ ایسا منظر ہوگا کہ محمد خاں اور سلیم عاصمی ان پولیس والوں کی بتیسی باہر نکال دیں گے اور عزیز صدیقی صاحب پولیس والوں کو ان دونوں کے عتاب سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے نظر آئیں گے ٹھنڈا پیا گیا کچھ کھانا چوسی ہوئی اور پھر سب اٹھ کھڑے ہوئے میں بھی بادل ناخواستہ پیچھے پیچھے ہولیا سینما کے باہر نکلا تو دیکھا مساوات کے دفتر کے باہر پولیس کھڑی ہے اور سڑک کے دوسرے کنارہ پر ایک جم غفیر جمع ہے بوڑھی عورتیں لڑکیاں۔ نوجوان بوڑھے بچے مزدور بابو لوگ کچھ خوش پوش حضرات سب کی نظریں سینما کے گیٹ کے سامنے چائے خانہ کی جانب لگی ہوئی ہیں پھر ایک صاحب آئے انھوں نے چاروں افراد کے گلوں میں ہار ڈالے اور بینر پکڑائے آزادی صحافت زندہ باد مساوات کو بحال کرو اخباری صنعت کے کارکنوں کا اتحاد زندہ باد اور پھر یہ چاروں افراد مساوات کے دفتر کی جانب بڑھے مساوات کے دفتر کے سامنے کھڑے ہوئے لوگوں نے تالیاں بجانی شروع کیں جکی آواز اور شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ پولیس حرکت میں آگئی لوگوں کو مساوات کے دفتر کے سامنے سے دھکا دیکر ہٹایا جانے لگا۔ پھر ایک نعرہ ابھرا آزادی صحافت زندہ باد بس پھر کیا تھا پورا علاقہ اس نعرہ سے گونج اٹھا جدوجہد تیز ہو تیز ہو، جمہوری حقوق بحال کرو۔ پولیس والے کبھی بھوک ہڑتالیوں کی طرف بڑھتے تھے کبھی نعرہ لگانے والے ہجوم کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے میں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ نعرے وغیرہ نہیں لگاؤں گا لیکن تھوڑی دیر کے بعد غور کیا تو محسوس ہوا میری آواز کچھ زیادہ ہی بلند نکل رہی تھی دوسروں کے ساتھ عزتی، لیاقت سب ہی جنون کے عالم میں تھے۔ بھوک ہڑتالیوں نے مساوات کے دفتر کے گیٹ کے سامنے کھڑے ہوتے بینر بلند کئے کچھ طالبات آگے بڑھیں اور انھوں نے انکے گلوں میں ہار ڈالے نعروں کا شور اور بلند ہوگیا اردگرد کی عمارتوں کی چھتوں پر بھی لوگ جمع تھے پولیس کی جیپ آئی ایک بھاری بھرکم پولیس افسر نکلا چند سفید پوشوں نے کاغذی کارروائی کی اندر بھوک ہڑتالیوں کو جیپ میں اس طرح بٹھا کر بھاگے جیسے گرفتار کرنے کے بجائے اغوا کر رہے ہوں۔

ریاض ملک اور راشد صاحب نے حکم دیا کہ سارے آدمی پریس کلب چلیں نوید بٹ، ہمراز احسن اپنی اپنی اسکوٹروں پر روانہ ہوگئے لوگ ٹکریوں میں پریس کلب کی جانب روانہ ہوئے۔ سب خوش گپیوں میں مصروف ٹہلتے ہوئے اس طرح پریس کلب کی جانب بڑھ رہے تھے کہ ساتھیوں کو گرفتار کرا کے نہیں بلکہ ان کی شادیاں کروا کر واپس لوٹ رہے ہوں

ماں نے سر پہ ہاتھ پھیرا اور بہن نے گلے میں ہار ڈالا

پریس کلب کی چھت پر پہنچے ریاض ملک نے تحریک کا ذکر کیا اور پھر طاہر نجمی کو ہدایت کی کہ وہ ہمارا تعارف کرائیں اس کے بعد مجھ سے تقریر کا مطالبہ کیا گیا۔ میرے منہ سے دو چار ایسے دھواں دار جملے نکل گئے کہ نعرے لگنے لگے یہی حال غوثی کا ہوا لیاقت نے خاموشی میں عافیت جانی اور پھر سب دوبارہ ملنے کے ارادے سے منتشر ہو گئے۔ راستہ میں نوید بٹ مل گئے۔ غوثی نے جانے ان کے کان میں کیا کہا کہ انہوں نے طاہر نجمی سمیت ہم دونوں کو لیا اور اپنے ایک وکیل دوست کے پاس پہنچ گئے چچا چار رفیق بھی ساتھ تھے بیٹھے بیٹھے کچھ اور وکیل قسم کے لوگ آ گئے ملک کے حالات سے بحث چلی اور ذاتی تجربات اور میر دار جی کے قصوں پر ختم ہوئی۔ ختم کیا ہوئی معطل کرنی پڑی اس لئے کہ دفتر میں سونے کی جگہ نہیں تھی اور کچھ لوگوں کے بیوی بچے بھی تھے۔

میں غوثی اور طاہر نجمی کمین گاہ پر پہنچے غوثی جس حالت میں تھے۔ ویسے ہی ڈھیر ہو گئے۔ میں نے چھت پر دری بچھائی اور لیٹ گیا۔ آنکھ کھلی تو دھوپ میں ڈھکا ہوا تھا۔ نیچے اترا تو غوثی پتہ نہیں کہاں کہاں سے چکر لگا کر آ چکے تھے۔ حافظ بشیر نے تجویز پیش کی کہ اس سے پہلے کہ آپ میں سے کسی کا نام کوہ ندا سے پکارا جائے لاہور دیکھ لیجئے ناشتہ کرنے کے بعد سب سے پہلے بادشاہی مسجد گئے اقبال کا مزار دیکھا بادشاہی مسجد دیکھی اس کے مینار پر چڑھ کر لاہور شہر کا نظارہ کیا قلعہ کے دروازے پر پہنچے تو معلوم ہوا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اچھا ہوا سنتے ہیں بادشاہوں نے عیش و عشرت کے لئے بنوایا تھا اور اب اذیت رسانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ نہ پہلے ہمارے لوگوں کی اس میں گنجائش تھی نہ اب کوئی امکان ہے غوثی بضد تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قلعہ دیکھنے کے بجائے فتح کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں غوثی کو شاہدرہ جانے کا بھی بڑا شوق تھا غالباً مردہ شاہوں کے مقام دیکھ کر وہ اپنے آپ کو زندہ ہونے کا یقین دلانا چاہتے تھے طاہر نجمی بھی ساتھ تھے مقبرہ جہانگیر کی وسعت دیکھ کر لاہور کی تنگ گلیوں کا راز سمجھ میں آیا۔

نورجہاں کا مقبرہ بھی دیکھنے کا ارادہ تھا لیکن نہ وقت تھا نہ پیروں میں سکت اور پھر معلوم ہوا کہ حکمرانی کے سارے اوصاف رکھنے کے باوجود ساری زندگی جہانگیر کی باندی ہی رہی۔ آزادی اظہار پر یقین نہیں رکھتی تھی اور اگر رکھتی بھی تھی تو اسی حد تک بادشاہ کے مزاج کو ناگوار نہ ہو ہم ایک دن پہلے جن لڑکوں کو مساوات کے دفتر کے سامنے اپنے حقوق کے لئے نعرے لگاتے دیکھ چکے تھے اس کے بعد نورجہاں کا تبصرہ تو کیا خود زندہ نورجہاں بھی ہمیں متاثر نہیں کر سکتی تھی۔

شاہدرہ سے واپس آتے ہوئے داتا دربار بھی گئے سونے کا دروازہ دیکھا اور اس کے گرد جمع فقیروں کی ٹولیاں بھی دیکھیں کاش داتا زندہ ہوتے تو ایسے ایسے کتنے دروازے ضرورت مندوں میں بانٹ چکے ہوتے۔ لیکن اس دور میں اللہ کے دربار کی تزئین کی خاطر مانگے کے سنہرے دروازے کی ضرورت پڑے۔ اس کا بڑا ملال ہے۔ میرے خیال میں گلبرگ اور ڈیفنس کی کسی کالونی کی کوٹھی میں تو یہ دروازہ یقیناً مالک مکان کی حیثیت میں اضافہ کر دیتا لیکن فقیروں کے دربار میں تو یہ ایک بڑی حقیر سی چیز لگ رہی تھی۔ غوثی نے داتا سے کچھ مانگا لیکن شہد والے شربت کا ایک گلاس ضرور پیا غالباً پیاس کی شدت نے انہیں مستقبل اور عاقبت دونوں سے بیگانہ کر دیا تھا۔ واپس اڈہ پہ پہنچے تو غوثی کے لئے ایک پیغام موجود تھا آج آپ کی باری ہے شالیمار دیکھنے کی حسرت ان کے دل میں رہ گئی۔
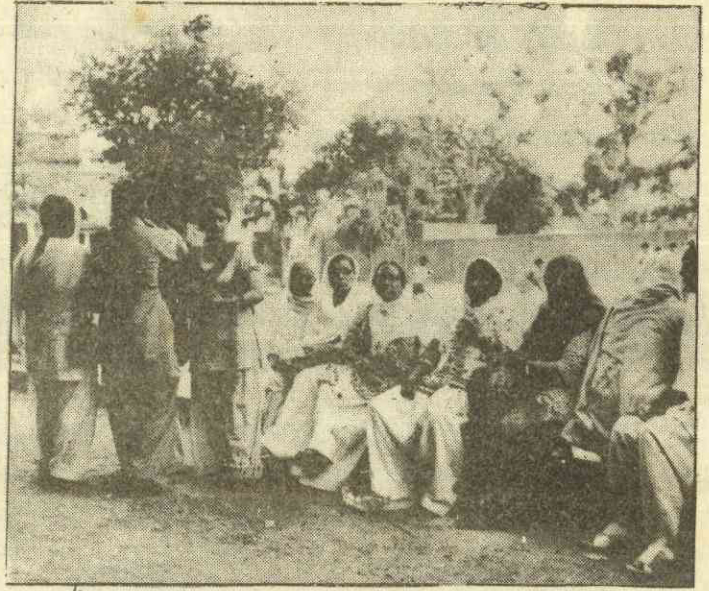
شام کو پھر حسب معمول تیاری ہوئی۔ غوثی حسب سابق نے شیو کیا۔ شلوار قمیض بڑی کلف دار نکالی بال سنوارے اور جب نکلے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ بر دکھوے کو جا رہے ہوں۔ اڈہ پر معلوم ہوا کہ مساوات کے سٹی ایڈیٹر طاہر اسدی ہیون شیر افگن اور ملتان کے اے پی پی کے افضل خاں ان کے ساتھ ہیں۔ پولیس نے گلستان سینما کے گرد اپنا گھیرا تنگ کیا ہوا تھا۔ غالباً ارادہ تھا کہ یہیں گرفتار کر لیا جائے اور مساوات تک پہنچنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ مساوات کے دفتر کے سامنے ہجوم کا عالم وہی تھا خواتین بچیاں بوڑھے نوجوان۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آج یہ بچیاں اور خواتین اپنے پھول کے ہار واپس لیکر واپس جائینگی۔ تھوڑی دیر کے بعد غوثی طاہر اسدی غائب ہو گئے۔ میں گھبرایا کہ کہیں معاملہ رفع دفع تو نہیں ہو گیا کہ مخالف سمت سے چاروں ہٹر تالی یک بہ یک نمودار ہوئے ہاتھ میں وہی بیز تھے۔ تالیوں کی آواز بلند ہونی شروع ہوئی نعروں کی بازگشت نے ایک بار پھر قرب و جوار کے علاقہ کو بیدار کر دیا۔ لڑکیاں اور خواتین ہار لیکے دوڑیں پولیس بھی دوڑی نوجوانوں نے نعرے بلند کرتے شروع کئے۔ غوثی اور طاہر اسدی جو ہار وغیرہ پہن کر اچھے خاصے سجیلے لگ رہے تھے۔ خراماں خراماں چلے آ رہے تھے۔ پولیس کے پہنچنے سے پہلے وہ مساوات کے دفتر کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ غوثی اور طاہر اسدی نے بڑی بلند آواز میں نعرے لگانے شروع کئے بلند بانگ

دعوے نہیں کئے یہ اچھا ہوا یہ کام ہم سب نے دو دن کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ پولیس کی جیپ موقع پر پہنچ گئی حسبِ معمول چند سفید پوش بھی آگئے اور معمول کے مطابق کارروائی کے بعد انھیں جیپ میں بٹھایا گیا اور یہ جا

پھر پریس کلب پہنچے۔ ریاض ملک نے صورتحال پر تبصرہ کیا۔ ولی محمد واجد نے فرمائش پر تقریر کی اور پھر سب اپنے اپنے کام پر روانہ ہو گئے۔ میں نے دل میں سوچا اگر حکومت کو یونہی لوگوں کو گرفتار کرنا ہے تو پورے ملک کو ہی جیل خانہ کیوں نہیں قرار دے دیتی نہ پولیس کی ضرورت ہو گی نہ یہی ہنگامہ کرنا پڑے گا بس جو جہاں ہے۔ وہیں قیدی بن جائے گا۔ لیکن چھیڑ خوباں سے چلی جائے ... اسد کچھ انھیں گرفتار کرنے کا شوق تھا کچھ ہمیں گرفتار ہونے کا۔

اڈہ پر آج ولی محمد واجد بھی موجود تھے چھت پر چادریں بچھائی گئیں۔ پرانی اور نئی گرفتاریوں کے قصے سنائے گئے۔ محسوس یہ ہوا کہ وطنِ عزیز میں قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے والوں کی تعداد زلفِ یار کے گرفتار شدگان سے بہت زیادہ تھی۔

دوسرے دن حافظ بشیر پہنچے کہ شالیمار دیکھ لیتے ہیں۔ میں نے بھی ڈر کر کہیں کوئی ٹھیک نہیں کس وقت کس کا نمبر آجائے غنیمت جانا کہ شاہ جہاں کی محنت کا ثمرہ بھی دیکھ ہی ڈالو اس لئے کہ جانے پھر کب گرفتاریوں کی نوبت آئے۔ فوراً روانہ ہو گیا۔ واپس پہنچا ہی تھا کہ نیچے ٹیلیفون آگیا۔ معلوم ہوا کہ آج میری باری ہے۔ جلدی سے بیگ میں سامان ڈالا اس پر اپنا نام لکھا کہ کوئی اپنا سمجھ کر نہ احسان کر جائے کرتا پاجامہ۔ زیب تن کیا اور وقت مقررہ پر روانہ ہو گیا۔ محاذ پر پہنچا تو اسلم شیخ تنویر شفقت مرزا اور صادق موجود تھے۔ نسیم الحق عثمانی صاحب بھی نظر آئے کچھ دور کھڑے ہوئے تھے میں نے قریب جا کر اپنی شکل دکھائی تو بڑے بزرگانہ انداز میں خیر و عافیت پوچھی۔ فتح اور کامرانی کا یقین دلایا۔

مساوات کے خوش نویس عاطف شیخ عین موقع پر پہنچے کچھ ایسے انداز کی وضع قطع میں کہ شک گزرتا تھا ٹینس کھیل کے آرہے ہیں۔ اقبال جعفری سن کراچی اور مشرق کراچی کے خالد سعید، صداقت کے شرافت کے ساتھ اسی روز کراچی سے سپر ایکسپریس میں پہنچے تھے۔ سب جمع تھے۔ پولیس کی نفری بھی خواتین بھی طلبہ مزدور اور طالبات بھی اخباری کارکن اور دفتری بابو بھی سب منتظر تھے۔ اس لمحہ کے لئے جو گذشتہ آٹھ دن سے ان کی زندگی کا معمول بن گیا تھا۔ وہ ایک لمحہ جب وہ اپنی کچلی ہوئی آرزوئیں دبی ہوئی خواہشات اور اپنے پامال حقوق کی بحالی کی خاطر چند افراد کو قربانی پیش کرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ چند نعرے بلند ہوتے ہوئے سنتے تھے پابندیوں اور گھٹن کے اس دور میں یہ چند لمحے ان کے لئے امید کی کرن بن کر رہ گئے تھے۔

کسی نے خبر دی کہ اگر نعرے لگے تو پولیس آج لاٹھی چارج کرے گی۔ کسی نے کہا کہ پولیس لوگوں کو بھوک ہڑتالیوں کے ساتھ مساوات کے دفتر تک نہیں پہنچنے دے گی۔ مجھے ایک صاحب نے ہدایت کی کہ آپ لوگ نعرے نہیں لگائیے گا۔ خواتین کی تعداد آج کچھ زیادہ تھی۔ مزدور اخباری کارکن اور طلبہ و طالبات کی تعداد میں بھی اضافہ نظر آرہا تھا۔ اسلم شیخ صاحب اپنے مخصوص انداز میں اس صورتحال کو دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے یا ان کی شکل ہی ایسی ہے صادق صاحب جو مساوات لاہور کے مشین مین تھے عمر کے اس حصہ میں تھے جب لوگ اپنے پوتوں اور نواسوں کو اپنے آنگن میں کھیلتا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں لیکن وہ بھی اس دوڑ بھاگ سے محظوظ ہو رہے تھے۔ شفقت تنویر مرزا طبعاً رجائیت پسند ہیں انھیں مستقبل پر کچھ اتنا اعتماد ہے کہ ماضی اور حال کی سوچتے ہی نہیں ان کے ہاتھ میں مارون کا پیکٹ تھا اور سگریٹ منہ سے لگی ہوئی تھی۔ میں نے کبھی بھی سگریٹ ان کے ہونٹوں سے الگ نہیں دیکھی کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سگریٹ ان کے جسم کا ایک حصہ ہے جو گول اور سپید رنگ کا منہ سے باہر نکلا ہوا ہے اور اس کا سرا مسلسل جلتا رہتا ہے اور اندر سے مزید نکلتا چلا آتا ہے۔

آئی۔ ایچ راشد ریاض ملک اعجاز رضوی نوید بٹ الطاف ملک حافظ بشیر اور سب لوگ کھڑے تھے۔ پولیس خاصی چوکنی نظر آرہی تھی۔ کوئی انسپکٹر کسی حوالدار کو ڈانٹ رہا تھا حوالدار سپاہی کو جھڑک رہا تھا۔ سپاہی لوگوں کو دھکے مار رہا تھا کہ اتنے میں کسی نے ہم چاروں کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈال دیئے تالیاں بجنے لگیں یہ اشارہ تھا۔

ہم نے منزل کی جانب پیش قدمی شروع کر دی یک یہ یک ایسا محسوس ہوا جیسے میں کسی فوج کا سپاہی ہوں اور مجھے پیش قدمی کر کے دشمن کے مورچے پر حملہ کا حکم ملا ہے۔ مساوات کے دفتر کے قریب ہی پہنچا تھا کہ لوگ آگے بڑھے کسی کے ہاتھ میں ہار تھا کوئی صرف ہاتھ ملانا چاہتا تھا۔ کسی نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا میں نے پلٹ کر دیکھا میری ماں کھڑی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے میں حیرت زدہ ہو گیا میں نے دیکھا میری ماں کی آنکھوں میں آنسو تھے خوشی کے آنسو۔ غالباً اس نے اپنے بیٹے کو پہلی بار زندگی میں سرخرو ہوتے دیکھا تھا آگے بڑھا میری بہن کھڑی تھی اس کے ہاتھ میں ہار تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ میں نے سر جھکا دیا۔ اس نے میرے گلے میں ہار ڈال کر مجھے ایسے دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو۔ میرے سامنے سر جھکایا ہے کسی ظالم و جابر کے سامنے تو سر نہیں جھکاؤ گے۔ اپنی تمام تر بزدلی اور کمزوریوں کے باوجود میں نے خاموشی سے وعدہ کر لیا۔ نہیں جس سر پر میری ماں نے ہاتھ پھیرا ہے وہ کٹ تو سکتا ہے جھک نہیں سکتا۔ جس گلے میں میری بہن نے ہار ڈالا ہے اس میں پھانسی کا پھندا تو پڑ سکتا ہے خود غرضی غداری اور بزدلی کا طوق نہیں پڑ سکتا ہے۔ دوستوں کی ساری ہدایات میرے ذہن سے نکل گئیں۔ از خود میرے منہ سے نعرہ ابھرا آزادیٔ صحافت زندہ باد آزادیٔ اظہار زندہ باد جمہوریت بحال کرو۔

پولیس کی گاڑی آئی اور ہمیں اس میں دھکیل کر بند کر دیا گیا اور گاڑی اس تیزی سے روانہ ہوئی جیسے زندگی بھر کا سفر چند لمحوں میں ختم کرنے کا ارادہ رکھتی ہو دوسرے لمحے ہم سول لائنز تھانے میں تھے ایک صاحب آئے اور انھوں نے نام باپ کا نام قومیت نسل رنگ روپ جسم پر نشان سب اس طرح لکھا جیسے ہمارے کھو جانے کا انھیں خطرہ تھا۔

پھر ایک کمرہ میں جسے عرفِ عام میں حوالات کہتے ہیں منتقل کر دیا گیا۔ دروازہ بند ہو گیا سامنے ایک کھڑکی تھی اس کے سامنے ایک رائفل بردار سنتری کھڑا تھا۔ دیواروں پر اس کمرہ سے گزرنے والے میرے ساتھی کا نام لکھا ہوا تھا مجھے تھانہ کی اس کوٹھڑی میں زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ میں آزاد ہوں۔ ■

موجودہ سیاسی صورتِ حال

الیکشن اور منتخب نمائندوں کو اقتدار کی منتقلی وقت کا اہم ترین تقاضا ہے

رجعت پسندانہ پالیسیوں نے ملک کو تباہ اور عوام کو مفلوک الحال کر دیا ۔۔۔!!

ڈاکٹر اعزاز نذیر
صدر نیشنل پروگریسو پارٹی

پاکستان آج جس معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی دلدل میں پھنسا ہوا ہے اُس کی تمام تر ذمہ داری اقتدار پر قابض سامراج کے گماشتہ سرمایہ داروں، جاگیرداروں پر عائد ہوتی ہے جن کے استحصالی تقاضے اور رجعتی پالیسیاں ملک کی خوشحالی و ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اس کا نتیجہ ہے کہ ملک میں بسنے والے مختلف پیشوں اور زندگی سے تعلق رکھنے والے عوام اس بات پر متفق ہیں کہ ان طبقات کے اقتدار سے ہٹائے جانے کے بغیر قومی آزادی، جمہوریت، شہری آزادیاں اور خوشحالی و ترقی کی امنگیں بار آور نہیں ہو سکتیں۔

عوام دشمن طبقات کا پھر تک مار کر بڑا بنایا ہوا نام نہاد قومی اتحاد غیر نمائندہ مارشل لاء حکومت کی تائید اور پچھلی حکومت کی جانب سے بیہم عوام کے فائدہ میں اٹھائے ہوئے اقدامات کی مخالفت کے ذریعہ اپنے چہرے کو بے نقاب کر چکا ہے یہ بات حکمران طبقات اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ اپنے وجود کا ہر طرح سے اخلاقی جواز کھو چکے ہیں نیز ملک کی تباہی و بربادی کی راہ پر دھکیلنے، اپنے خود غرضانہ مفادات کی تکمیل کی خاطر ملک کو توڑ دینے کے مجرم اور سامراج کے کارلیس کی حیثیت سے آج وہ ننگے ہیں لہٰذا ان سے عوام کا سامنا کرنے کی جرأت کی توقع رکھنا محض ایک حماقت ہوگی۔ وہ ایک نواب کے قتل پر واویلا تو کر سکتے ہیں لیکن بلوچستان کے چار سالہ فوجی آپریشن، دیر میں سینکڑوں افراد کے قتل عام لانڈھی سائٹ (کراچی) کے مزدوروں پر کیے جانے والے بہیمانہ تشدد نیز ملک بھر کے مزدوروں، کسانوں طالب علموں کے خلاف اختیار کردہ جبر و تشدد پر گنگ ہیں چونکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ عوام پر حکمرانی اب تشدد کو تشدید کر کے ہی ممکن ہے خیانچہ پٹ فیڈر، بشت نگر، مالاکنڈ ایجنسی ملتان، حضدار، تربت پنجگور نیز دیہہ مبارک وغیرہ میں اختیار کردہ رویے اور پھر صحافیوں، مزدوروں اور اساتذہ کو اپنے مطالبات کے سلسلے میں جدوجہد کے خلاف مارشل لاء کے ضابطوں کے تحت سزائیں جن میں کوڑوں جیسی وحشیانہ سزائیں بھی شامل ہیں لٹکائے جانے کی دھمکیوں اور احتساب کے نام پر نہ ختم ہونے والی پالیسی سازشوں نے ان افراد کے ذہنوں کی دھند کو صاف کر دیا ہے جو گذشتہ عرصہ غلط فہمیوں اور گمراہیوں کا شکار تھے۔

ان حقائق نے آج یہ بات ہر محب وطن پر واضح کر دی ہے کہ سامراج اور نوآبادیاتی نظام ہماری معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی زندگی کے ہر شعبہ میں مداخلت کرتا ہے جس کا مقصد ترقی کے تاریخی عمل میں رکاوٹیں ڈال کر ہماری تہذیبی زندگی کو مفلوج اور معیشت و سیاست کو طفیلی اور تابع بنانا ہے اسی کے نتیجہ میں عوام میں تشدد اور جنگ کی برکتوں کی ترویج کی جاتی ہے ان میں اخلاقی گراوٹوں کے ذریعہ خود غرضی و بے ضمیری کو پروان چڑھایا جاتا ہے تاکہ فوجی معاہدات کی تجارت کے ذریعہ انہیں ہمسایہ ممالک اور عالمی سوشلسٹ جمہوری برادری کے خلاف سرد جنگ کی دوڑ میں جھونکا جائے انہی پالیسیوں کا نتیجہ ہے کہ ہمارا ملک اقتصادی طور پر آج کثیر القومی کارپوریشنوں کے شکنجہ میں جکڑا ہوا ہے۔

تاریخ کی پیشقدمی اور عوام کی عظیم فتوحات نے ترقی پذیر ممالک کے مستقبل کو تابناک بنا دیا ہے تیسری دنیا کے بیشتر ممالک سوشلسٹ ممالک کی گرانقدر امداد اور عالمی برادری کے باہمی تعاون کے نتیجہ میں ترقی کی راہ پر گامزن ہیں لیکن ہمارے ملک میں آج بھی وہی آلات پیداوار استعمال ہو رہے ہیں جو دنیا کے عجائب خانوں کی زینت ہیں اس کا مقصد جاگیردارانہ باقیات کو تحفظ دینا ہے اور صنعتی ترقی کی راہوں کو مسدود کرنا اور خام مال اور نیم تیار شدہ اشیاء پیدا کرنا ہے تاکہ ہمارا ملک سامراجی خام مال کی ضروریات پوری کر سکے نیز ہم اپنی ضروریات کے لیے سامراجی مصنوعات کی منڈی بن سکیں اس صورتحال کو اس وقت تک نہیں بدلا جا سکتا جب تک کہ ترقی کی راہ میں حائل ان عوام دشمن اور ملک دشمن طبقات کو ختم نہ کر دیا جائے جو اپنی رجعتی وجود کی بقا کے لیے سامراج کی حاشیہ برداری پر مجبور ہیں ان کے خاتمہ کے ذریعے ہی قومی وسائل کا استعمال اور منصوبہ بند ترقی کی راہ اپنائی جا سکتی ہے ریاستی اور نجی ہر دو قسم کے سرمایہ کو قومی منصوبہ کے تحت استعمال میں لانا، صنعتی اور زرعی شعبوں کے تناسب اور توازن کا یقین، غیر پیداواری اخراجات میں زیادہ سے زیادہ کمی نیز ذہنی اور ہنرمند افرادی قوت کی نکاسی کی روک تھام جیسے مسائل ہماری فوری توجہ کے طالب ہیں۔

فرقہ واریت اور تعصبات قومی زندگی کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں، رنگ نسل جنس اور عقیدہ کی بنیاد پر امتیازات عوام میں فرقہ پرستی اور بدگمانیوں کو جنم دینے جنہیں صرف ایک ایسی حکومت کے قیام کے ذریعہ ہی ختم کیا جا سکتا ہے جو انسان دوستی کی عمومی راہ اور یکجہتی کے تمام تر جذبوں سے معمور ہو جو ہر شہری کو دولتوں کی فراہمی میں برابر اور یکساں تصور کرتی ہو۔ لہٰذا ایک ایسی سیکولر (غیر فرقہ وارانہ) جمہوریت کا قیام جو شہری کو عقیدہ و مذہب کی مکمل آزادی فراہم کرے۔ نیز مذہبی معاملات میں ریاست کی طرف سے عدم مداخلت کے اصول پر گامزن ہو جو عوام کے غصب شدہ حقوق کو بحال کرے۔ جن میں عوام کا اقتدار اعلیٰ غیر مشروط بنیادی حقوق بشمول صوبائی خود مختاری، مزدوروں، کسانوں، طالب علموں، خواتین نیز سماج کے دیگر تمام حصوں کو اپنی تنظیم بنانے اور حقوق کی جدوجہد کرنے کی مکمل

آزادی، کالے قوانین کی منسوخی نیز ہر فرد کو روزگار، مفت طبی سہولتیں، مفت تعلیم اور مفت انصاف کی ضامن ہو، نیز جو حق بالغ رائے دہی کی بنیاد پر قانونی نمائندہ حکومت کی راہ پر گامزن ہو۔ کا قیام وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

لیکن ملک کے اقتدار پر قابض عوام دشمن طبقات جو سامراج کی کاسہ لیسی ہی کو اپنی بقاء کا ضامن سمجھتے ہیں کیونکہ عوام کا سامنا کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے چنانچہ ان سے انتخابات کا انعقاد اور عوام کو اقتدار منتقل کرنے کی کبھی توقع نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہی وہ طبقات ہیں جنہوں نے گذشتہ ۳۰ سالوں سے ہمیشہ منتخب نمائندوں کو اقتدار منتقل کرنے سے انحراف کیا۔ ایسی جمہوری قانونی حکومت کا جس کے اقتدار کا سرچشمہ عوام ہوں اور جو سامراج کے استحصال کو دور کر کے عوامی خوشحالی، معاشرتی ترقی اور جمہوریت کی راہ کھول دے محب وطن، محنت کش عوام اور جمہوری قوتوں کے اشتراک سے اس کا قیام ناگزیر ہے۔ جو آج کے حالات میں سامراج کی عوام دشمن غیر جمہوری سازشوں کے خلاف مزدوروں، کسانوں، طالب علموں، خواتین، کاروباری اداروں کی تنظیموں، سماجی انجمنوں اور صنعت و تجارتی ایسوسی ایشنوں پر مشتمل ہوگی۔ لہٰذا اس سامراجی مداخلت سے نجات، معاشرتی، ترقی اور اقتصادی خوشحالی کی راہ پر گامزن کرنا عوام کے اقتدار اعلیٰ پر مبنی فرقہ واریت اور تعصبات سے پاک جمہوری نظام دینے عام انتخابات کے ذریعہ غیر مشروط طور پر اقتدار کو منتخبہ اداروں کے حوالے کرنے جیسے اہم قومی و ملکی تقاضوں کی تکمیل فوری کر سکے۔ جو آج کی تاریخ کی سب سے اہم بڑی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہر محب وطن کا فرض ہے کہ وہ جمہوریت کے قیام کی جدوجہد کو نئی توانائی جرأت اور ولولہ سے آگے بڑھائے۔

بقیہ : جاوید ہاشمی

کہ "تحریک عوام کے مفادات کے خلاف کام کر رہی ہے" حالانکہ دوسرے دن جب اخبارات میں وفاقی کابینہ میں ان کی شرکت کی خبر شائع ہوئی تو عوام کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ عوام کے مفادات سے غداری کس نے کی۔ وزارت کے لالچ نے جاوید ہاشمی کو بہت جلد بے نقاب کر دیا۔

جاوید ہاشمی کو وزیر مملکت برائے طلباء امور بنایا گیا ہے۔ جب کہ تھانہ پرانا انار کلی لاہور میں درج شدہ ایک ایف آئی آر اور ایڈیشنل سیشن جج کی عدالت میں زیر سماعت ایک مقدمہ کے مطابق جاوید ہاشمی اسلامیہ کالج سول لائنز کے بی اے کے ایک طالب علم برکات احمد کے قتل میں ملوث ہیں۔ ان کے ساتھ ملزموں کی فہرست میں جمہوری پارٹی کے رانا نذرالرحمٰن، چوبرجی کے لقمان اور مراتب علی روڈ گلبرگ کے عبدالحفیظ خان بھی شامل ہیں۔ مقدمہ کی سماعت کی آئندہ تاریخ ۲۹ جولائی ہے۔ چالان کے مطابق ۲۹ اور ۲۷ اپریل ۱۹۷۲ء کی درمیانی شب کو پنجاب یونیورسٹی یونین کے انتخابات کے موقع پر برکات احمد گولیاں لگنے سے میو ہسپتال کے کائیر ولٹی وارڈ میں جاں بحق ہو گئے تھے۔ جس پر ۲۷ اپریل ۱۹۷۲ء کو علی الصبح ۳ بجے کر پچاس منٹ پر پولیس تھانہ پرانی انار کلی لاہور میں چھاؤنی کے اس وقت کے طالب علم زاہد اسلام کی رپورٹ پر ان چار ملزموں کے خلاف زیر دفعہ ۳۰۲ ت پ الف، آئی آر نمبر ۳۰۳ درج کی گئی۔ بعد ازاں پولیس نے جاوید ہاشمی، رانا نذرالرحمان، محمد لقمان اور حفیظ خان کو گرفتار کر لیا۔ سیشن کورٹ میں ان کی ضمانت کی درخواستیں مسترد کر دی گئیں۔ بعد میں ہائی کورٹ نے انہیں ضمانت پر رہا کر دیا۔ موت کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ برکات احمد کی موت گولی لگنے سے ہوئی ہے۔ اس مقدمے کی تفتیش کے لئے جو افسر مقرر ہوئے وہ محمد خان سب انسپکٹر تھے۔ بعد ازاں پولیس نے مقدمے کا مکمل چالان علاقہ مجسٹریٹ جناب ممتاز جوئیہ کی عدالت میں پیش کیا۔ کچھ عرصہ بعد یہ مقدمہ سیشن کورٹ میں منتقل ہو گیا سب سے پہلے یہ مقدمہ سماعت کے لئے اس وقت کے سیشن جج جناب محمد حسین سندھڑ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آج کل ایڈیشنل سیشن جج شیخ مظفر حسین کی عدالت میں زیر سماعت ہے۔ عدالتی ریکارڈ کے مطابق سارے ملزمان پیشیوں پر نہیں آتے رہے۔

جی ہاں۔ جاوید ہاشمی کو وزیر مملکت برائے طلبہ امور مقرر کیا گیا ہے۔

بقیہ : ڈاکٹر غلام حسین

کارکن آزمائش کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے ہیں ہمیں اپنے کارکنوں پر فخر ہے وہ آزمائش کی گھڑی میں چٹانوں کی طرح ڈٹے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اقتدار سے محروم کئے جانے کے بعد ہمیں بہت سے تجربات اور مشاہدات حاصل ہوئے ہیں یہ مشاہدات اور تجربات ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ ہم نے کھرے کھوٹے کی پہچان کر لی ہے آئندہ صحیح کارکن کو صحیح کام سونپنے کی پالیسی اختیار کی جائیگی پارٹی میں کارکنوں کو ہی عزت اور وقار ملے گا۔ اور فیصلہ کن حیثیت مخلص کارکنوں ہی کو حاصل ہوگی۔

انہوں نے کہا کہ فکر و اظہار کی آزادی جمہوریت کی بنیاد ہے صحافی عوامی رائے کے ترجمان اور رہنما ہوتے ہیں اس لئے ہر مہذب معاشرے میں انہیں بہت عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ہمارے جیالے صحافیوں اور اخباری کارکنوں نے آزادئ صحافت کی حالیہ تحریک کے دوران بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ صحافیوں کی تحریک ہماری قومی تاریخ کا حصہ بن چکی ہے ڈاکٹر غلام حسین نے کہا اگر موجودہ حکمران ملک میں واقعی جمہوریت کی بحالی کے خواہاں ہیں تو انہیں صحافیوں اور اخباری کارکنوں کے جائز مطالبات فوری طور پر منظور کر لینے چاہئیں ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ صحافیوں کو کوڑے مارنے، انہیں سزائیں دینے اور روزگار سے محروم کرنے سے ہمارے ملکی اور قومی وقار کو شدید ٹھیس پہنچی ہے۔

افغانستان کے انقلاب کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر غلام حسین نے کہا کہ اس انقلاب نے اس خطے کی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ ہمیں افغانستان کے انقلاب سے سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ اس دور میں عوام کی مرضی کے خلاف ان کی گردنوں پر سوار رہنا ناممکن ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا پاکستان میں دنیا کی بڑی طاقتوں کے اپنے اپنے مفادات ایک دوسرے سے متصادم ہیں ان طاقتوں کو پاکستان کے بجائے خود اپنے مفادات کے ساتھ زیادہ دلچسپی ہے ہمیں کسی کا آلۂ کار بننے کے بجائے بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے یہ سب کچھ ایک سیاسی حکومت ہی کر سکتی ہے کیونکہ ایسی حکومت کے پاس عوام کے دیئے ہوئے اختیارات ہوتے ہیں یہ اختیارات ایک بہت بڑی قوت کے حامل ہوتے ہیں ملک میں جلد منتخب سیاسی حکومت قائم نہ ہوئی تو معاملات بہت زیادہ الجھ جائیں گے عین ممکن ہے ان کو سلجھانا کسی کے بھی بس کی بات نہ رہے اس لئے ہمیں اپنی تاریخ کے اس نازک ترین دور میں ذاتی انا اور مفادات کو پس پشت ڈال کر فوری طور پر حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنا چاہیئے اور انتخابات کے ذریعہ عوام کی رائے معلوم کر کے اس رائے کے آگے سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے اسی میں سب کی بہتری ہے ورنہ یاد رہے کہ تاریخ کبھی کسی کو معاف نہیں کرتی۔

جنوبی اور جنوبی اور شمالی یمن کا تنازعہ

حقائق کیا ہیں؟

عالمی ٹھگ نجات دہندوں کو ٹھگ رہے ہیں

شبیہ الحسن

پچھلے دنوں جنوبی یمن کے واقعات عالمی پریس میں مرکزِ نگاہ بن گئے تھے حسب معمول مغرب اور اس کے پروردہ پریس کو یہاں بھی روس کی شرارتیں نظر آئیں اور ربیع العلی سالم کی ہلاکت اور عبدالفتح اسماعیل کے اقتدار پر قبضے کو روسی اثر و نفوذ کی فتح قرار دیا گیا۔ اس سے قبل یہی مقبوضہ پریس افغانستان میں صدر داؤد کے دھڑن تختہ اور پہلی قومی حکومت کے قیام پر سینہ کوبی سے فارغ ہو چکا تھا۔ ابھی اس کے آنسو خشک بھی نہ ہوئے تھے کہ جنوبی یمن میں رونما ہونے والے واقعہ نے انہیں مزید اچھلنے کودنے اور چیخنے چلانے پر مجبور کر دیا۔ یہ اچھی بات ہے کہ اگر سیاسی آتار چڑھاؤ ان کی مرضی اور خواہش کے مطابق ہو تو تعلیں بجائی جائیں۔ اور مرضی کے مطابق نہ ہو تو اس پر ناک بھوں چڑھائی جائے اور اخبارات میں مغلظات کا طوفان برپا کر دیا جائے۔ نیوز ویک اور ٹائم نے اسماعیل کو "خونخوار" اور ان کے ساتھیوں کو "ٹھگ" اور موقع پرست جیسے القابات سے نوازا ہے۔ جماعت اسلامی کے اخبارات کا حال احوال تو کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ عالمی ٹھگوں کی جماعت دوسروں کو ٹھگ قرار دے رہی ہے۔

جنوبی یمن اور شمالی یمن میں تنازعہ اور واقعات سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کی جغرافیائی پوزیشن سمجھی جائے، جو امریکہ کی مشرق وسطیٰ کے تیل سے گہری دلچسپی اور اس علاقہ میں اسرائیل کی بالادستی منوانے کی پالیسی کے سبب دن بدن بڑی اہمیت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ امریکہ اور اس کے حلیف ممالک اس بات کو کسی طور پر پسند نہیں کرتے کہ خلیج عدن اور بحر احمر کے درمیان باب المندب کے مشرقی کنارے پر واقع جنوبی یمن میں روشن خیال اور ترقی پسند حکومت قائم رہے اور اس کے توسط سے شمالی یمن میں جہاں امریکہ نواز حکومت قائم ہے، وہاں ترقی پسندی کے اثرات پہنچیں۔ اور کوئی ایسی حکومت قائم ہو جائے جو سڑی ہوئی امریکی گندم، پرانے کوٹ اور پھٹے پتلونوں کی گٹھڑی کو بحر احمر میں غرق کر کے چچی کا دڑھ سے یہ کہے کہ "چچا بہت کھیل ہو چکا۔ اٹھاؤ اپنا بوریہ بستر اور رفو چکر ہو جاؤ"۔

یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ باب المندب بحر ہند اور بحر احمر کا گیٹ ہے اور اس کے راستے سے مشرق وسطیٰ کا تیل مغربی دنیا تک پہنچتا ہے۔ یہ بات امریکہ اور مشرق وسطیٰ میں اس کے حلیف ملک کیونکر پسند کریں گے کہ اس گیٹ پر کوئی ایماندار اور روشن خیال چوکیدار بیٹھ کر چوکسی کرے۔ ۱۹۶۶ء تک جنوبی یمن برطانوی کالونی تھا۔ لیکن حریت پسندوں نے ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کے بعد ۱۹۶۷ء میں

بہت کھیل ہو چکا، اٹھاؤ اپنا بوریا بستر اور رفو چکر ہو جاؤ"

برطانیہ سے اپنا وطن آزاد کرانے میں کامیابی حاصل کرلی۔ امریکہ، برطانیہ اور مشرق وسطیٰ میں اس کے یارِ غار ملکوں کو بڑی تشویش لاحق تھی۔ چنانچہ سارا زور شمالی یمن کو بچانے میں جھونک دیا گیا۔ اور وہاں ایسے افراد کو برسرِ اقتدار لانے کی ہمیشہ کوشش کی گئی جو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا دم بھرتے ہوں۔ چنانچہ شمالی یمن کو جنوبی یمن کے روشن خیالات اور اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے وہاں امریکہ اور سعودی عرب کی جانب سے بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کی جارہی ہے۔ اور مصنوعی خوشحالی کا ڈھونگ رچایا جا رہا ہے۔

یہ تو ہوا جنوبی یمن کی سیاسی اور جغرافیائی صورتحال کا مختصر جائزہ، اس کے بعد ضروری ہے کہ خود جنوبی یمن کے بعض اندرونی تضادات کا ذکر کیا جائے تاکہ حالیہ بغاوت اور اس کے سدِباب کے پس منظر کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

ربیع العالی سالم [illegible] لبریشن فرنٹ پارٹی کے ایک تجربہ کار اور ایک مخلص رہنما تھے۔ ملک کی آزادی میں ان کی قربانیاں پارٹی کے دوسرے رہنماؤں سے کم نہیں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں صدارت کا اہم عہدہ سونپا گیا۔ یہ دنیا بھر کا مسلمہ اصول ہے کہ پارٹی کے اندر اور ارکان میں بعض پالیسی امور اور حکمت عملی پر اختلافات رہتے ہیں۔ مغربی پریس کے مطابق ربیع العالی شمالی اور جنوبی یمن کے اتحاد کے حامی تھے۔ اسماعیل کا موقف تھا کہ جب تک شمالی یمن میں کوئی روشن خیال اور عوام دوست حکومت اقتدار میں نہیں آجاتی اس وقت تک دونوں ملکوں کے درمیان سیاسی اتحاد مناسب اور مفید ثابت نہ ہوگا۔ یہ اختلاف الیسا نہ تھا کہ سالم بغاوت پر کمر باندھ لیتے۔

دراصل وہ پارٹی کی پالیسی اور حکمت عملی کو نظرانداز کرکے شمالی یمن، سعودی عرب اور امریکہ سے تعلقات بڑھانے کے خواہش مند تھے۔ نیوز ویک کے مطابق ایک امریکی وفد عدن کا دورہ کرنے والا تھا، مگر ان کے ہلاک کئے جانے کے بعد اس نے اپنا رخ صنعا کی جانب موڑ دیا۔ مغربی ذرائع کے مطابق سعودی عرب نے سالم کو سرمایہ کاری کی بھی پیش کش کی تھی۔

سوئم مغربی پریس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اختلافات کی ایک وجہ افریقہ میں جنوبی یمن کے کردار کے بارے میں بھی تھی۔

اس میں بہت ساری باتیں مغربی پریس کی زبان درازی اور حاشیہ آرائی ہوسکتی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ سالم پارٹی کے فیصلوں کو روندتے ہوئے امریکہ اور اس کے حلیف ملکوں سے تعلقات قائم کرنے کے حامی تھے پھر شمالی یمن کے صدر الغاشمی کی ہلاکت کے بعد جب انہیں پارٹی کے اجلاس میں طلب کیا گیا تو انہوں نے میٹنگ میں آنے کی بجائے فوج کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ جس کے نتیجے میں ان کے خلاف عوامی ملیشیا کو کارروائی کرنی پڑی۔

شمالی یمن نے سرکاری طور پر صدر الغاشمی کے قتل کی ذمہ داری جنوبی یمن پر ڈالی ہے۔ اس سے قبل عرب لیگ کے اجلاس میں جنوبی یمن کی اقتصادی ناکہ بندی کی قرارداد منظور کی گئی۔ اس اجلاس کا متعدد ترقی پسند عرب ملکوں نے بائیکاٹ کیا تھا۔ مغربی پریس بڑی زوردار آواز میں رائے دے رہا ہے کہ جنوبی یمن میں "جو کچھ ہوا ہے وہ آخر نہیں بلکہ آغاز ہے۔"
اس ریمارک میں بڑی صداقت ہے کیونکہ امریکہ یہ بات خاموشی سے گوارا نہیں کرے گا کہ اس کے حلیف ملکوں کے درمیان ایک انتہائی حساس اور نازک حصے پر واقع جنوبی یمن مسلسل خطرے کی علامت بنا رہے۔

لیاقت میڈیکل کالج اور سندھ یونیورسٹی میں الیکشن

مسلح صالحین بھی جمعیت کو شکست سے نہ بچاسکے

امیر الدین قریشی

سارے سندھ میں طلبا یونین کے انتخابات کے بعد آخر کار ۲۴ جولائی کو اندرونِ سندھ کے پروفیشنل کالجز اور سندھ یونیورسٹی میں طلبا یونین کے الیکشن بخیر و خوبی گذر گئے۔ ان انتخابات میں سب سے سخت مقابلہ لیاقت میڈیکل کالج اور سندھ یونیورسٹی میں ہوا۔

لیاقت میڈیکل کالج میں صدارت کے لئے آزاد امیدوار خادم لاکھیر تھے جنہیں سپاف، سندھ این ایس ایف اور دیگر تمام ترقی پسند طلبہ تنظیموں کی مکمل حمایت حاصل تھی ان کے مقابلے میں اسلامی جمعیت طلبا کے ظہیر عمر شیخ تھے جنہیں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور آرائیں میڈیکوز کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ جنرل سیکریٹری کے لیے جیئے سندھ کے نذر محمد جونیجو اور سپاف اور دیگر ترقی پسند طلبا کے حمایت کردہ امیدوار عبداللہ جاٹ کے درمیان مقابلہ تھا جبکہ جوائنٹ سیکریٹری کے لیے سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے حمایت کردہ فیڈریشن کے سلیم اللہ لاشاری اور آرائیں میڈیکوز اور اسلامی جمعیت طلبہ کے حمایت کردہ آزاد امیدوار عبدالرحمان کے درمیان معرکہ تھا۔

الیکشن کی خاص بات یہ تھی کہ اسلامی جمعیت طلباء نے چھ سال کے بعد الیکشن میں حصہ لیا تھا۔ آج سے چھ سال پہلے الیکشن کے نتائج کے دوران زبردست جھگڑے کے بعد دو سال تک الیکشن پر پابندی کے بعد جمعیت تیزی سے ختم ہوگئی تھی۔ پچھلے ایک سال میں جمعیت نے اپنے آپ کو کافی مضبوط کیا خاص طور سے طلباء کی مالی مدد کے ذریعے سب سے سخت مقابلہ جنرل سیکریٹری کے عہدے کے لیے نذر محمد اور عبداللہ جاٹ میں ہوا۔ مخالف امیدواروں نے ایک دوسرے کے خلاف خوب پمفلٹ بازی کی جس میں ایک دوسرے پر سنگین الزامات لگائے گئے بظاہر صدارت اور جوائنٹ سیکریٹری کی سیٹوں پر بھی سخت مقابلہ تھا اس لئے کہ اسلامی جمعیت طلبا نے یہ الیکشن جیتنے کے لیے پورا زور لگا دیا تھا سارے سندھ سے اور خاص طور سے کراچی یونیورسٹی اور چانڈکا میڈیکل کالج سے مسلح صالحین پہنچے ہوئے تھے اس دفعہ کے الیکشن کالج کی تاریخ کے سب سے جاندار الیکشن تھے موجودہ سیاسی بحران کی وجہ سے الیکشن کا رنگ بھی سیاسی تھی جس میں واضح طور پر دو گروپ الیکشن لڑ رہے تھے ایک ترقی پسند گروپ اور دوسرا رجعت پرستوں کا گروپ بہر حال نتیجہ کچھ اس طرح ہے۔ صدارت کے عہدے پر خادم لاکھیر نے اسلامی جمعیت طلباء کے ظہیر عمر شیخ کو ۷۰۰ ووٹوں سے نائب صدارت کے لیے خلیل میمن نے اپنے قریبی امیدوار ایوب بلوچ کو ۱۰۰ ووٹوں سے جنرل سیکریٹری کے لیے عبداللہ جاٹ نے جیئے سندھ کے نذر محمد جونیجو کو ۸۰ ووٹوں سے جوائنٹ سیکریٹری کے لیے سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے سلیم اللہ لاشاری نے اپنے قریب ترین حریف کو ۲۵۰ ووٹوں سے شکست

جیل میں راؤ رشید سخت بیمار ہیں

علاج کی سہولت مہیا نہیں کی گئی

بیان سے منحرف ہونے کے لئے دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔!

سابق انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب اور سابق ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو جناب راؤ عبدالرشید ان دنوں اٹک جیل میں نظر بند ہیں وہ سخت بیمار ہیں اور پیشاب میں خون آرہا ہے۔ اس کا سبب مبینہ تشدد بتایا جاتا ہے۔ جیل میں انہیں علاج کی کوئی سہولت مہیا نہیں کی گئی ہے۔
ایک چشم دید گواہ کا کہنا ہے کہ جب راؤ رشید کو اٹک جیل [illegible] تو ان کے تن پر بوسیدہ اور میلے [illegible] تھے شدید بخار تھا۔ آنکھوں میں تکلیف تھی۔ ڈیوڑھی میں ہی ان سے توہین آمیز سلوک کیا گیا۔ تمام سامان روک لیا یہاں تک کہ ٹوتھ برش، صابن اور تولیہ تک رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی اور انہیں سی کلاس میں رکھا گیا۔ اس بیرک کا نام "شاہی احاطہ" تھا۔

راؤ رشید کو "شاہی احاطے" میں آئے دو دن ہوئے ہی تھے کہ ایک فوجی افسر اٹک جیل آئے۔ جیل حکام سے کچھ گفتگو کی۔ اس کے فوراً بعد راؤ رشید کو بچوں کی بیرک میں منتقل کر دیا گیا بتایا جاتا ہے کہ فوجی افسر نے تنہائی میں راؤ رشید سے بھی گفتگو کی۔ شاہی احاطے سے بچوں کی بیرک میں منتقلی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ان دنوں شاہی احاطے میں جناب معراج محمد خان بھی پابند سلاسل تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ گمنام ٹیلی فون کالوں اور خطوط کے ذریعے مارشل لاء حکام کو مطلع کیا گیا کہ "سپرنٹنڈنٹ جیل پیپلز پارٹی کا حامی ہے۔ اور اس نے راؤ رشید اور معراج کو ایک بیرک رکھا ہے۔ جب کہ ان کا یکجا رکھنا مارشل لاء انتظامیہ کے حق میں بہتر نہ ہوگا۔" مبینہ طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ گمنام ٹیلی فون ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل نے کئے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ سے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے اختلاف کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ سپرنٹنڈنٹ اپنے عملے کو دیانت داری اور قیدیوں سے رشوت نہ لینے کا درس دیتا رہتا ہے۔

جس دن معراج کو رہا کیا گیا، اسی دن راؤ رشید کو دوبارہ شاہی احاطے میں منتقل کر دیا گیا۔

راؤ رشید کے قریبی دوستوں کا کہنا ہے کہ راؤ صاحب پر اب بھی دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ اپنے بیان سے انحراف کر جائیں اور حلف نامہ واپس لے لیں تو نہ صرف انہیں آزاد کر دیا جائے گا بلکہ اتنا نوازا جائے گا جس کا وہ تصوّر تک نہیں کر سکتے۔ لیکن راؤ صاحب نے دباؤ میں آنے سے انکار کر دیا ہے اور واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے حکمران تو آتے جاتے رہتے ہیں لیکن انسان کو طاقت کے سامنے جھکنا اور جھوٹ بول کر بے گناہوں کو موردِ الزام ٹھہرانا نہیں چاہیئے۔ ان کے دوستوں کے مطابق" راؤ رشید کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے ایسا بیان دیا جس میں بھٹو کے خلاف کوئی بات نہیں تھی۔ بلکہ وہ بھٹو کے حق میں جاتا تھا" حالانکہ حکام کا مطالبہ تھا کہ وہ "مسٹر بھٹو" کے خلاف بیان دیں۔ بقول راؤ رشید" اوائل اگست میں مجھے اسلام آباد لے جا کر قید تنہائی میں رکھا گیا لیکن ایبٹ آباد سے روانگی سے کچھ دیر قبل بریگیڈیئر نعیم نے نہایت ہی شائستہ اور محتاط انداز میں مجھے الوداعی مشورہ دیتے ہوئے کہا" ازراہِ کرم فوج سے تعاون کیجیئے"۔ جب میں اسلام آباد پہنچا تو اس وقت کے "ڈی جی" ایف آئی اے مسٹر صغیر انور مجھ سے ملنے آئے۔ انہوں نے بھی مجھے مشورہ دیا کہ "ازراہِ کرم حکومت سے تعاون کریں"۔ میں نے پوچھا "کس طرح؟" تو انہوں نے کہا " آپ تو خود ہی ذہین آدمی ہیں۔ آپ کو سمجھنا چاہیئے" پھر جلد ہی مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ فوج سے "تعاون" کا مطلب کیا ہے اور مجھے اپنے کام اور اپنی آزادی کی کیا قیمت چکانی پڑے گی۔ میجر جنرل جناب عبدالرحمٰن جنہیں مجھ سے نمٹنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا پہلے پہل مجھے دیکھنے آئے۔ جیسا کہ انہوں نے بتایا یا بالفاظ دیگر میرا اندازہ لگانے آئے اس کے بعد وہ ایک طویل سوالنامہ لے کر آئے جس میں انہوں نے نہایت ہی جارحانہ زبان میں میرے خلاف تمام قسم کے الزامات عائد کئے یہ مجھے نرم کرنے کیلئے تھا۔ جب میں نے ان کی موجودگی ہی میں پریوں کی اس داستان کو پڑھنا ختم کیا تو وہ کھڑے ہو کر کہنے لگے" جواب لکھنے سے قبل ازراہِ کرم میرا یہ مشورہ یاد رکھیں۔ آپ کا ہر طرح خیال رکھا جائے گا۔ اگر آپ ہمیں صرف بھٹو کے خلاف مواد مہیا کریں"۔ میں نے حقیقت پر مبنی جواب لکھ دیا۔ کئی دنوں کے بعد میجر جنرل جناب عبدالرحمٰن آئے اور میرے جواب کو جلدی جلدی پڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس میں مسٹر بھٹو کو ملوث کرنے والا مواد نہ پا کر انہیں انتہائی مایوسی ہوئی"۔

راؤ رشید اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ بقول ان کے "مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں یہ مستحکم یقین رکھتا ہوں کہ آدمی کو ہمیشہ سچ بولنا چاہیئے خواہ اس کی کچھ ہی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے"۔

ویدی ابھی طرح میگزین سیکریٹری کے ترقی پسند امیدوار ذوالفقار علی سیال، اسپورٹس سیکرٹری کے لئے اصغر شیخ، ڈیبیٹنگ سیکرٹری حفیظ عباسی اور ڈرامیٹک سیکریٹری علی اکبر قریشی منتخب ہوئے۔

اس الیکشن میں ترقی پسند گروپ واضح اکثریت سے کامیاب ہو گیا اور جمعیت کو سارے پاکستان کی طرح یہاں بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

نتیجے کے اعلان کے بعد طلباء نے ایک بہت بڑا جلوس نکالا جس میں بھٹو کی ایک بہت بڑی تصویر جیپ پر لگی ہوئی تھی اور ایک سرخ پرچم لگا ہوا تھا اس جلوس میں طلباء کا جوش و خروش دیکھنے کے قابل تھا۔ سندھ یونیورسٹی کے نتائج کا نتیجہ غیر متوقع اور مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے درمیان تھا۔

بہرحال یہاں بھی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور جمعیت کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا نتیجہ کچھ اس طرح ہے۔ صدر غلام بشیر لاکھو (جیئے سندھ) نائب صدر عزیز بھنور (آزاد) جنرل سیکرٹری قادر ڈاھری (جیئے سندھ)

منہاج برنا اور جان عالم پر قاتلانہ حملہ
جمعیت اور انتظامیہ کا گٹھ جوڑ

غنڈے پتھراؤ کرتے رہے، پولیس تماشہ دیکھتی رہی

پرنسپل نے جلسے کو ناکام بنانے کے لئے چھٹی کا اعلان کر دیا

نمائندہ پربھات

یونیورسٹیوں اور کالجوں کے انتخابات میں ناکام ہونے کے بعد اسلامی جمعیت طلباء کی حالت اس باؤلے کتے کی سی ہو گئی ہے۔ جس کی دم پر زہریلی مکھی بیٹھ جاتی ہے مکھی کاٹتی ہے۔ کتا بلبلا کر دم پر منہ مارتا ہے۔ مگر دم تک رسائی نہیں ہوتی، کتا غراتا ہے۔ دانت نکال کر چیختا ہے۔ اور دم پکڑنے کے لئے دائرے میں چکر لگاتا ہے مکھی کاٹتی رہتی ہے۔ چکر تیز اور تیز ہوتے جاتے ہیں۔ کتا چیختا رہتا ہے اسی باؤلے پن کا مظاہرہ اسلامی جمعیت طلباء کے تھنڈر سکواڈ نے ۱۱ جولائی کو اردو سائنس کالج میں کیا اور پاگل کتوں کی طرح مہمانوں اور طلباء پر ٹوٹ پڑے۔

اردو سائنس کالج کی انجمن طلباء نے ۱۱ جولائی ۱۹۷۸ء کو صحافیوں اور اخباری کارکنوں کے آٹھ نکاتی مطالبات کی حمایت میں ایک جلسے کا اہتمام کیا۔ جلسے کے صدر ایپنک کراچی کے جنرل سیکرٹری جناب امیر محمد خان تھے۔ جب کہ مہمانِ خصوصی پی ایف یو جے کے صدر اور ایپنک کے چیئرمین جناب منہاج برنا تھے۔ جب اسلامی جمعیت طلباء اور کالج کی انتظامیہ کو اس جلسہ کے پروگرام کا علم ہوا۔ تو جہالت اور شب تار کے ان متوالوں نے اس جلسے کو سبوتاژ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مقامی انتظامیہ کو بھی آگاہ کر دیا اس سے صلاح مشورہ کیا۔ چنانچہ کالج کے پرنسپل نے صبح دس بجے ہی کالج میں چھٹی کر دی۔ طلباء سے کہا گیا کہ وہ اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ مقصد یہ تھا کہ صحافیوں کی حمایت میں جلسہ نہ ہو سکے۔ علاوہ ازیں مقامی انتظامیہ نے صبح ہی سے کالج میں پولیس کی بھاری تعداد متعین کر دی اس پولیس پارٹی کی قیادت ایک ڈی ایس پی کر رہا تھا۔ اور پولیس والے طلباء کو کالج میں داخل ہونے سے روک رہے تھے خوفزدہ کر رہے تھے۔

اس کے باوجود طلباء کی ایک بڑی تعداد کالج میں موجود رہی۔ اور جلسہ ہوا۔ تلاوت قرآن پاک کا آغاز ہوا۔ تو اسلامی جمعیت طلباء اور کالج کی انتظامیہ کو اپنا منصوبہ ناکام ہوتا نظر آیا۔ اس پر جمعیت کے درآمد شدہ غنڈے اتنے باؤلے ہو گئے کہ کلام پاک کے تقدس کا خیال کئے بغیر تلاوت کے دوران ہی مخالفانہ نعرے بلند کرنا شروع کر دیئے۔ اس سے جلسہ گاہ میں موجود طلباء میں ناراضگی پیدا ہوئی۔ جلسے کے منتظمین نے بڑے شائستہ انداز میں غنڈوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اور کہا تلاوت قرآن ہو رہی ہے۔ اس کا احترام کرو، بعد میں نعرے لگا لینا۔ لیکن اسلام پسند غنڈے باز نہ آئے۔ وہ نعرے لگاتے رہے۔ طلباء اور منتظمین نے بڑے صبر اور تحمل کا ثبوت دیا۔

تلاوت قرآن کے بعد جلسے کا آغاز ہوا۔ طالبعلم رہنما ضیاء احمد اعوان، این ایس ایف کے صدر جان عالم، اصغر حسن خلیل اور جناب منہاج برنا نے خطاب کیا۔

ضیاء احمد اعوان نے اپنی تقریر میں کہا کہ آزادیٔ صحافت ایک جمہوری اور قومی مطالبہ ہے ملک بھر کے طالب علم ایپنک اور پی ایف یو جے کے اصولی موقف کے حامی ہیں اور اس سلسلے میں کی جانے والی جدوجہد میں برابر کے شریک ہیں انہوں نے اعلان کیا کہ ۸ نکاتی مطالبات کے لئے شروع کی جانے والی جدوجہد کو سبوتاژ کرنے کی ہر کوشش طلبہ ناکام بنا دیں گے انہوں نے طالب علموں کی ایک غیر نمائندہ تنظیم کے جسے حالیہ کالج انتخابات میں عبرتناک شکست ہوئی ہے صحافت دشمن اور جمہوریت کے منافی رویے کی شدید مذمت کی این ایس ایف کے صدر جان عالم اور اصغر حسن خلیل نے بھی اپنی تقاریر میں صحافیوں کی حمایت کا یقین دلایا۔ جناب منہاج برنا نے صحافیوں اور اخباری کارکنوں کے آٹھ نکاتی مطالبات کے بارے میں کہا کہ ایپنک اور پی ایف یو جے نے لاہور میں عملی جدوجہد شروع کرنے سے پہلے حکومت کو مذاکرات کی دعوت دی تھی اب کراچی میں ۱۸ جولائی سے جدوجہد شروع کی جا رہی ہے اس کے لئے بھی ہماری طرف سے مذاکرات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں مگر حکومت کے رویے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ہم پر محاذ آرائی مسلط کر رہی ہے اور کن مقاصد کے تحت ایپنک اور پی ایف یو جے کی جدوجہد کو سبوتاژ کر رہی ہے انہوں نے کہا کہ آزادی صحافت صرف صحافیوں اور اخباری کارکنوں کا مسئلہ نہیں بلکہ اس ملک کے طلبہ مزدور کسان اور دیگر محنت کش طبقات کا بنیادی حق ہے جسے آمرانہ ہتھکنڈوں سے غصب نہیں کیا جا سکتا اور جن عوام دشمن طبقات نے عوام کو اس حق سے محروم کرنے کی سازش کی ہے اور فسطائی طاقتوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا ہے ان کو ناکام بنا دیا جائے گا۔ جلسہ کے پرامن اختتام تک اسلامی جمعیت طلبہ نے اپنے غنڈوں کی نفری میں مزید اضافہ کر لیا تھا اور موقع پر موجود پولیس افسران اور کالج کے پرنسپل سے مزید ہدایات وصول کر لی تھیں۔ اس لئے انہوں نے لاٹھیوں سے مسلح ہو کر مدعوئین پر دھاوا بول دیا جمعیت کے غنڈوں کی سنگباری کافی دیر تک جاری رہی۔ سنگ باری سے منہاج برنا ضیاء احمد اعوان، این ایس ایف کے صدر جان عالم، اسرار علوی علی حسن اور دیگر متعدد طلباء زخمی ہو گئے۔ مگر پولیس تماشہ دیکھتی رہی اور غنڈوں کی حوصلہ افزائی کرتی رہی جمعیت کے غنڈوں نے کالج میں موجود طالبات کے ساتھ بھی بدتمیزی کی جمعیت کے غنڈے جس بے خوفی کے ساتھ غنڈہ گردی کر رہے تھے اس سے صاف ظاہر تھا کہ انہیں کس کی

باقی صفحہ ۴۸ پر

مغربی جرمنی کے پروفیسروں اور جمہوریت پسندوں کی اپیل

بھٹو کو پھانسی دی گئی تو

جمہوریت کے قیام میں رکاوٹ پیدا ہوجائیگی

عوام میں عدم اعتماد پیدا ہوگا اور پاکستان کی سالمیت خطرے میں پڑ جاتے گی

مغربی جرمنی کے ۱۲ پروفیسروں اور جمہوریت پسندوں نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کے نام ایک خط میں پاکستان کی بہتری کے لئے سابق وزیراعظم بھٹو کے معاملے میں رحم کی اپیل کی ہے۔ خط میں لکھا ہے۔

"مسٹر بھٹو کو جنہیں اب بھی عوام میں مقبولیت حاصل ہے۔ اگر موت کی سزا دی گئی تو جمہوریت کی طرف لوٹنے کی راہ میں رکاوٹ پڑ جائے گی اور اس سے عوام کے دلوں میں ایک ناقابل تلافی رخنہ پیدا ہو جائے گا اور بعض صوبوں میں عدم اعتماد گہرا ہو جائے گا۔ اس سے پاکستان کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہوگا۔"

اس خط پر دستخط کرنے والوں میں بعض غیر معمولی شخصیتیں شامل ہیں، مثلاً برلن کے بشپ شارف، پروفیسر گول وِتسر، پروفیسر آف لاء، اُودے ویزل اور پروفیسر آف پولٹیکل سائنس اِلمار آلٹ فاتر۔

پروفیسر گول وِتسر اور اُودے ویزل بٹرنڈ انٹرنیشنل برٹرینڈ رسل ٹریبونل کے سرگرم رکن بھی ہیں، جس نے حال ہی میں فیڈرل ری پبلک آف جرمنی میں انسانی حقوق کی پامالی مثلاً پیشہ ورانہ امتناع کی تحقیقات کے لئے اپنا ایک اجلاس بلایا تھا۔

دستخط کرنے والوں نے پاکستان میں اضافی استبدادی اقدامات کا آغاز ہونے کے بارے میں بھی

تشویش اور خدشے کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم صحافیوں اور دوسرے سیاسی مخالفوں کو جمہوری حقوق چھینے جانے کے خلاف پُرامن احتجاج کرنے پر کوڑوں کی سزا اور سزائے قید دینے سے بھی متوحش ہیں۔ ان طریقوں سے ممکن ہے احتجاج عارضی طور پر کم ہو جائیں لیکن ان کے دور رس نتائج تلخی اور تباہی کی صورت میں نکلیں گے۔"

دریں اثنا مغربی جرمنی کے ۱۱ ارکان پارلیمان نے بھی مسٹر بھٹو کو سزائے موت دینے کے خدشے کے خلاف گہری تشویش اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ ان میں ایک ڈاکٹر اووے ہوتش (بنڈس ٹاگ کے رکن پارلیمان) بون میں مقیم پاکستانی سفیر کو خط لکھنے والے سب سے پہلے آدمی ہیں جس میں انہوں نے سابق وزیراعظم مسٹر بھٹو کے لئے رحم کی اپیل کی ہے۔ ڈاکٹر ہوتش پارلیمانی کمیٹی برائے اقتصادی تعاون کے چیئرمین بھی ہیں۔

لیگ آف ہیومن رائٹس (انجمنِ انسانی حقوق) نے پاکستان میں شہریوں کے حقوق کی خلاف ورزی کرنے پر اظہار برہمی کرتے ہوئے ایک الگ خط میں فوجی حکام سے مسٹر بھٹو کی سزائے موت ملتوی کرنے کی اپیل کی ہے۔

مغربی جرمنی کے ۲۱ پروفیسروں اور ماہرین تعلیم نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق کو جو مراسلہ بھیجا ہے اس کا متن حسب ذیل ہے۔

لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے سابق وزیراعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو سنائی جانے والی سزائے موت سے اور اضافی استبدادی اقدامات کے نفاذ سے پاکستان کے متعلق شدید خدشات اور تشویش پیدا ہو گئے ہیں۔ ہم جمہوری حقوق کے خاتمے کے خلاف صحافیوں اور دوسرے سیاسی مخالفوں کی طرف سے پُرامن احتجاج پر انہیں دی جانیوالی کوڑوں کی سزا اور سزائے قید کو گہری ناراضگی کی طرف نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان اقدامات سے احتجاجوں میں عارضی کمی تو ہو سکتی ہے لیکن ان کے دور رس نتائج تلخی اور تباہی کی صورت میں نکلیں گے۔

اب جب کہ سپریم کورٹ نے مسٹر زیڈ اے بھٹو کی طرف سے اپنی گرفتاری اور ایک سیاسی مخالف کے قتل کی سازش پر سزائے موت کے فیصلے کے خلاف اپیل کی سماعت شروع کر دی ہے، کسی ممکنہ سیاسی آفت کو اب بھی روکا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ کے فیصلے کو بحال رکھا تو پاکستان کے لئے اس کے سنگین نتائج ہو سکتے ہیں۔ مسٹر بھٹو کو، جو اب بھی عوام میں زبردست مقبولیت رکھتے ہیں، اگر سزائے موت دی گئی تو جمہوریت کی طرف لوٹنے کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی اور اس سے عوام کے دلوں میں ناقابل تلافی رخنہ پڑ سکتا ہے اور بعض صوبوں میں عدم اعتماد پیدا ہو سکتا ہے۔ اس سے پاکستان کی سالمیت کو خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے۔

ہم، جو پاکستان کی طرح تیسری دنیا کی بہبود کے حامی ہیں، آپ سے پاکستان کی بہتری کے لئے مسٹر زیڈ اے بھٹو کے معاملے میں رحم کی اپیل کرتے ہیں۔

نواب شاہ — محمد نواز خلجی

بارش کی تباہ کاریاں، سیاسی جماعتوں کی بے حسی

حالیہ بارشوں میں نوابشاہ بھی موسلادھار طوفانی بارش کی زد میں آیا اور سارا شہر جل تھل ہو گیا یہ کیفیت بنگلوں میں رہنے والوں کے لیئے بڑی دلکش تھی اور انہوں نے موسم سے پورا پورا لطف اٹھایا لیکن غریب اور محنت کشوں کی بستیوں میں یہ بارش بڑی المیہ ثابت ہوئی مہاجر کالونی کیمپ نمبر ۲ لوکل بورڈ کیمپ، پیلا کیمپ غریب آباد، اعظم کالونی اور تاج کالونی وغیرہ کے باسیوں پر قیامتِ صغریٰ گذر گئی۔

یہ منظر بڑا دلخراش تھا کہ گھاس پھوس کی جھونپڑیاں پانی پر تیر رہی تھیں گلیوں میں کئی کئی فٹ تک پانی کھڑا تھا۔ اور مٹی کے مکان تو زمین بوس ہو چکے تھے یہاں کے مکانوں کا سارا اثاثہ کھانے پینے اوڑھنے بچھانے کا سامان پانی کی نذر ہو گیا۔ پانی کی نکاسی کا کوئی معقول انتظام نہ ہونے سے تباہی و بربادی نے ان بستیوں کو گھیرے میں لے لیا تھا۔

ان غریبوں اور بے نواؤں کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا کسی نے انہیں کھانے پینے کے لیئے نہیں پوچھا ان کی تباہی پر زبانی اظہار بھی نہ کیا یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ان کے بیوی بچوں نے چھاجوں برستے پانی میں رات کہاں بسر کی۔ کہیں سر چھپانے کا ٹھکانہ بھی نہ ملا۔ کھلے آسمان تلے رات آنکھوں میں کاٹی۔

جماعتِ اسلامی جو ایسے موقعوں پر بے لوث خدمتِ خلق کی بلا شرکت غیرے داعی ہے کہیں دکھائی نہ دی تحریکِ استقلال، مسلم لیگ، جمعیت علمائے پاکستان، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی، پاکستان جمہوری پارٹی جمعیت علمائے اسلام اور خاکسار جماعتوں کے کارکن اور رضا کار اپنے گھروں سے نہیں نکلے۔ وہ مقامی رہنما جو عوامی حکومت کے خلاف نظام مصطفیٰ کے نام پر سیدھے سادھے لوگوں کو بے وقوف بناتے رہے انہیں گولیوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کی ترغیب دیتے تھے بھٹو حکومت کے آخری دور میں اور اس کے بعد عوام کے مسائل کا حل نظام مصطفیٰ کے نفاذ میں دکھاتے تھے اور سرکاری دفاتر اور تھانوں میں جا کر اپنا رعب اور دبدبہ دکھا کر اپنے اور اپنے دوستوں خاندان کے افراد وغیرہ کے لیئے ہر قسم کی جائز و ناجائز مراعات حاصل کرتے تھے کہیں دور دور تک نظر نہیں آتے تھے ان میں سے بیشتر اپنے گھروں میں بیٹھ کر موسم کا لطف اٹھاتے رہے۔

اگر کوئی پریشان حال بھولے سے ان کے دروازے پر دستک دیتا تھا تو صاف جواب دیتے تھے کہ ہم کیا کریں اللہ میاں سے کون مقابلہ کر سکتا ہے! جاؤ۔ بلدیہ جاؤ میں ٹیلیفون کر دوں گا۔ بلدیہ کا عملہ دو چار روز میں تمہارے محلے کا پانی نکال کر تمہاری پریشانی دور کر دے گا۔

اعظم کالونی اور خان محمد بلوچ کالونی کے تباہ حال باشندوں نے نمائندہ "الفتح" کو بتایا۔

یہ حقیقت سہی کہ آفاتِ ارضی و سماوی پر کسی کا اختیار نہیں ہے لیکن فوری امدادی کام اور ہمدردی سے بروئے کار لائے جانے والے انسانی وسائل سے اشک شوئی ہو ہی جاتی ہے اسلامی نظام، نظام مصطفیٰ، جمہوری قدروں اور عدل و انصاف کی داعی سیاسی جماعتوں نے بارش کی تباہ کاریوں سے متاثر ہونے والے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کو پلٹ کر بھی نہ دیکھا ان کے لیڈرز حموں پر نمک چھڑکنے کے مصداق سہانے موسم کی دلفریبی سے حظ اٹھاتے رہے۔

گذشتہ سال جب نواب شاہ عوامی دور میں اس طرح ہلاکت خیز بارش کی زد میں آیا تھا تو اس وقت برسرِ اقتدار پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما اور کارکن فوراً متاثرین کی امداد کو دوڑتے آئے تھے انہوں نے دامے درمے سخنے ان غریبوں کی بھرپور مدد کی موسلا دھار بارش میں کمر کمر تک پانی میں ڈوب کر گھروں کا سامان باہر نکالا۔ بچوں کو کاندھوں پر بٹھا کر محفوظ جگہوں پر پہنچایا، جگہ جگہ امدادی کیمپ قائم کیے، جہاں متاثرہ خاندانوں کو خشک راشن جس میں آٹا دال گھی چینی نمک مرچ اور دودھ اور چائے وغیرہ شامل تھی فراہم کرتے رہے۔

پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے مخیر حضرات نے ان کیمپوں میں کھانا اور کپڑے بھی تقسیم کیئے اور انہیں بے گھر ہونے کا احساس کبھی نہ ہونے دیا پارٹی کے ضلعی اور شہری عہدیداروں نے اپنے سکھ چین کو خیرباد کہہ کر اپنے غریب بھائیوں کی خدمت کی اور کارکنوں نے ان کیمپوں میں محبوس مردوں، عورتوں اور بچوں کی اس وقت تک خبر گیری کی جب تک کہ وہ دوبارہ اپنے گھروں میں آباد نہیں ہو گئے۔

لیکن اس سال پاکستان پیپلز پارٹی کا بھی کوئی راہنما اور کارکن بارش سے متاثرین کی مدد کو نہیں آیا اس کی وجہ ان کی بے حسی نہیں تھی بلکہ اس لیئے نہیں آ سکے کہ وہ جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے بند تھے۔ کہیں کہیں جیل سے باہر رہنے والے کارکنوں نے امدادی کام کرنے چاہے بھی تو اتحادیوں اور مقامی انتظامیہ کو ان میں تخریب کاری کا منصوبہ نظر آیا اس حوصلہ شکنی نے اپنے بھائیوں سے ہمدردی رکھنے والوں کو آگے بڑھنے کا موقعہ نہیں دیا اور وہ محض زبانی ہمدردی پر اکتفا کرتے رہے۔

بلدیہ اور ضلعی حکام نے اپنے فرائض یقیناً انجام دیئے لیکن ان کی تمام تر سرگرمیاں کوٹھیوں بنگلوں کے گرد اور ان علاقوں تک جہاں قومی اتحاد کے لیڈروں اور کارکنوں کی رہائش گاہیں ہیں محدود رہیں تاکہ ان کی خوشنودی حاصل کر کے حکام بالا کی نظروں میں سرخروئی حاصل کر سکیں، کیونکہ ان دنوں ان ہی لوگوں کا طوطی بولتا ہے۔

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کی نوابشاہ میں آمد کے موقعہ پر بھی قومی اتحاد سے تعلق رکھنے والوں کو شرف باریابی حاصل کرنے کا موقعہ دیا گیا تھا جنرل صاحب نے بھی غریبوں اور محنت کشوں کو ایک فرلانگ کے فاصلے سے ہی دیدار کرایا تھا جب کہ قومی اتحاد کے لیڈر اور ان کے حواری جنرل صاحب سے قریب تر ہونے میں کامیاب رہے حتیٰ کہ صحافیوں تک کو ان کے قریب پھٹکنے نہ دیا گیا حالانکہ ان میں سے بیشتر کا تعلق پاکستان پیپلز پارٹی سے نہیں تھا۔

بقیہ: منہاج برنا

حمایت حاصل ہے۔

جمعیت کی اس غنڈہ گردی کی مذمت کرتے ہوئے طلباء کی متعدد تنظیموں این ایس ایف، ایم ایس ایف پروگریسو فرنٹ اور جامعہ کراچی اسٹوڈنٹس یونین کے صدر مصطفین کاظمی نے مطالبہ کیا ہے کہ یہ غنڈہ گردی اردو سائنس کالج کے پرنسپل اکرام الرحمان اور جمعیت کی سوچی سمجھی اسکیم کا نتیجہ ہے۔ ان تنظیموں نے غنڈوں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا ہے۔ ایم ایس ایف کے رہنما عاقل لودھی اور گورنمنٹ سٹی کالج ناظم آباد طلباء

یونین کے صدر راجہ ظہیر الحسن نے ایک مشترکہ بیان میں ملزموں کی گرفتاری کا مطالبہ کرتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ گورنمنٹ سٹی کالج ناظم آباد میں جماعت اسلامی کے تمام رہنماؤں کا داخلہ بند کرایا گیا ہے۔

بقیہ:۔ کابینہ

ترجمانی کرنے کی بڑی مشق ہے لیکن خوش نصیب ہیں کہ اب حزب اقتدار میں آ کر انہیں کسی حزب اختلاف کا سامنا کرنا نہیں پڑ رہا ہے (ہر چند کہ اصغر خاں اپنی پارٹی کو حزبِ اختلاف میں گردانتے ہیں)

محمد خاں جونیجو ایوبی دور کی پیداوار ہیں اور سرداری زمینداری کی نمائندگی کرتے ہیں۔ محمود علی اور آغا شاہی چنداں اہمیت کے حامل نہیں ہیں اوّل الذکر کبھی سفیرِ بے ملک (امبیسیڈر ایٹ لارج) رہ چکے ہیں انہیں انتقال آبادی کا بھی کچھ تجربہ ہے، اس لئے آبادی کی منصوبہ بندی تا حکمِ ثانی چلالیں گے۔

جاوید ہاشمی کا تذکرہ اس اعتبار سے ہے کہ رموزِ مملکت کے تجربے کے لحاظ سے نو آموز اور تربیت کے لحاظ سے خاصے پختہ ذہن ہیں کہ قوم کی نبض شناس تنظیم جماعتِ اسلامی کے تربیتی کیمپ، اسلامی جمعیت طلبا کے سرخیل رہ چکے ہیں۔ نہ جانے فضا راس نہ آئی یا مرغِ بادِ نما نے اشارہ دیا کہ جماعت کو چھوڑ کر تحریک کے ہو لئے اور "اسلامی" سے ناطہ توڑ کر "استقلال" سے ناطہ جوڑ لیا اور جب وزارت کا در کھلا دیکھا تو تحریکِ استقلال سے بھی منہ موڑ لیا۔

ع اتفاقات ہیں زمانے کے۔

بیگم وقار النساء نون کو نجانے اقتدار کے کانٹوں کی سیج پر گھسیٹا گیا ہے یا وہ اس خارزار میں خود آئی ہیں۔ ایک عمر ریڈ کراس سے وابستہ رہنے کی بنا پر چاہیئے تو یہ تھا کہ انہیں صحت، سماجی بہبود یا تعلیم کا قلمدان وزارت دیا جاتا لیکن انہیں سیاحت کی ترقی کی کارپوریشن سونپی گئی ہے۔ غالباً اس لئے کہ وہ غیر ملکی نژاد ہیں اور سیاحت کا تعلق بالعموم غیر ملکیوں سے ہے۔

کابینہ کے فوجی ارکان کو ابھی پوری طرح آزمائشی دور سے گذرنا ہے اور سرمایہ داروں یا ان کے ایجنٹوں کے ساتھ ان کا مل بیٹھنا کسی وقت بھی انہیں مصیبت میں مبتلا کر سکتا ہے اور کابینہ کے سربراہ کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؟ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کا مشن سب کے سامنے ہے اور وہ اپنے نظریات اور عزائم کا کھلے بندوں اظہار کر چکے ہیں لیکن انہوں نے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے بیوروکریٹس، سرمایہ داروں صنعت کاروں اور جاگیردار طبقے سے تعلق رکھنے والے مہربانوں اور قدر دانوں کی جو نفری تیار کی ہے، وہ ان نظریات اور خواص کے حامل ہیں جن سے اس ملک کی اکثریت کو کوئی علاقہ نہیں ہے جو غریبوں، محنت کشوں اور کسانوں پر مشتمل ہے۔ یہ اس اکثریتی طبقے کے لئے طفل تسلی سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ کھلونوں سے بہلائے نہیں جا سکتے، خصوصاً چابی والے کھلونوں سے کیونکہ چابیاں اکثر ٹوٹ جاتی ہیں تو سالم کھلونے ٹوٹے ہوئے کھلونوں سے زیادہ دل کو تکلیف پہنچاتے ہیں، جیتے جاگتے انسانوں کو زندہ حقائق ہی تسکین پہنچا سکتے ہیں۔

بقیہ:۔ سرورق

پانے والے شاہ مردان ثانی پیر سکندر شاہ پیر آف پگارا شریف اس کے لئے دعاگو ہیں اور چوہدری ظہور الٰہی ان کے سیاسی خلیفہ اوّل۔ اس لئے حکومت میں شامل ہونے پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیئے ہاں اس بات پر حیرت ظاہر کی جا سکتی ہے کہ ان بیچاروں نے اتنے دن صبر کیسے کیا ہوگا ورنہ چوہدری ظہور الٰہی صاحب کی نامزدگی کی علامت تو اسی وقت ظاہر ہو گئی تھی جب انہوں نے مارشل لا احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رہائی کے فوری بعد کراچی یونیورسٹی میں طلباء سے خطاب کیا تھا اور بذریعہ ریل لاہور جاتے ہوئے عام اجتماعات میں تقریریں کی تھیں۔

سردار عبدالقیوم خاں تو بیچارے بڑے مظلوم نکلے بھٹو صاحب جماعت اسلامی مارشل لا انتظامیہ ہر ایک نے حسبِ ضرورت انھیں استعمال کر کے اب انھیں نااہل قرار دینے والے ٹربیونل کے حوالے کر دیا ہے۔ افسوس کہ لوگ ان سے ہمدردی بھی نہیں کرتے۔

یہ تو تھا بساط کی ایک طرف کا حال دوسری جانب جو فریق ہیں ان میں سے ایک پاکستان پیپلز پارٹی ہے جسے کھیل میں شامل نہ کرنے کے بارے میں باقی تمام فریقوں میں ایک ان کہا اور بے لکھا سمجھوتہ موجود ہے اس کے بارے میں سیاسی پنڈتوں کا فیصلہ یہ تھا کہ بھٹو کو اقتدار سے محروم کر دیا جائے تو ایک ہفتے کے اندر اندر اس کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ اس کے برعکس خاموش اکثریت میں سے چند لوگوں کی رائے یہ تھی کہ برسر اقتدار بھٹو کو تو شکست دی جا سکتی ہے۔ اس لئے لوگ بھٹو کی ذات سے نہیں حکومت اور طرزِ حکومت سے تنگ ہیں۔ اقتدار سے ہٹ کر وہ ایسے جن ثابت ہوں گے جنھیں کسی بوتل میں بند کیا جا سکے گا حقیقت سب کے سامنے ہے۔ بھٹو کو ملک کے اندر اور باہر اتنی حمایت کبھی حاصل نہیں تھی جتنی کہ پچھلے ایک سال کے دوران حاصل رہی ہے اور اس فضا کے تبدیل ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ سابق مغربی پاکستان، حالیہ پاکستان میں عام لوگوں نے کسی سیاسی جماعت کے لئے اتنی مصیبتیں نہیں اٹھائیں اور اتنی قربانیاں نہیں دیں جتنی کہ اس جماعت کے لئے پچھلے ایک سال میں دی ہیں۔ ان حالات میں سوال یہ ہے۔ اور شاید یہی سوال ہے جس پر انتخابات ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار ہے، کہ آیا اس جماعت کو عام لوگوں کی حمایت اور تعاون سے محروم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ حالات بتاتے ہیں کہ پی پی پی عام توقعات کے برعکس انتہائی سخت جان ثابت ہو رہی ہے اور اس کی مخالف جماعتیں مارشل لا کو ڈھال بنائے رکھنے میں عار محسوس نہیں کر رہی ہیں۔

سیاست کی موجودہ بساط پر سمت تبدیل کرنے والے تین فریق اور ہیں یعنی تحریک استقلال جمعیت العلماء پاکستان اور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی

تحریک استقلال کے سربراہ ایئر مارشل (ریٹائرڈ) ایم اصغر خاں کے بارے میں الفتح کے گذشتہ سال کے ایک شمارے میں کہا گیا تھا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تحریک استقلال کے قیام کے ساتھ ان کی سیاسی اپرنٹس شپ ختم ہو گئی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ ماہر اقتصادیات وزیر علی، ماہر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور ماہر قانون

مشیر احمد پیش امام ان کے ہم جلیس و ہم رکاب ہیں۔ ان بزرگوں کی موجودگی ان کی اپنی سوچ اور مغرب سے ان کے تعلقات اس بات کی علامت کہ مستقبل کی سیاست میں ان کے امکانات زیادہ روشن ہیں (بشرطیکہ پی پی پی کو غیر موثر بنا دیا جائے) اس حقیقت کو بھی مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے کہ این ڈی پی کے پی این اے میں بدلنے اور اس کی انتخابی مہم کو جارحانہ انداز دینے میں بنیادی کردار اصغر خاں صاحب نے ادا کیا تھا فوج کو اقتدار پر قبضہ کرنے کی باقاعدہ دعوت بھی انہوں نے ہی دی تھی۔ موجودہ حالات میں بھی اگر انھیں پاکستانی سیاست کا مرغِ باد نما تصور کیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ پچھلے دو تین ماہ سے ان کے لب و لہجے میں نمایاں تبدیلی نظر آ رہی تھی۔ اسی دوران چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے خود ایبٹ آباد جا کر ان سے ان کے مکان پر ملاقات کی تھی۔ اس کے بعد اصغر خاں نے دار الحکومت میں ان سے جوابی ملاقات کی۔ ان ملاقاتوں کے بعد بھی لہجے کا یہ تیکھا پن یہ نشاندہی کرتا ہے کہ یا تو یہ روش سوچے سمجھے اور طے شدہ منصوبے کے تحت ہے اور اس کا مقصد انھیں عوام میں مقبول بنا کر اقتدار میں لانے کی تیاری کرنا ہے یا پھر اصغر خاں اور ان کے کھلے اور پسِ پردہ، ملکی اور غیر ملکی حامی یہ سمجھ گئے ہیں کہ فوجی حکومت نہ تو ملک کو سیاسی اور اقتصادی بحران سے نکال سکتی ہے نہ ہی اس کی حمایت کرنے والوں کو عوامی تائید نصیب ہو سکتی ہے وجہ کچھ بھی ہو اصغر خاں صاحب نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ لوگ یہ طے کریں گے کہ مارشل لاء جاری رہنا چاہیے یا نہیں یا بہ الفاظِ دیگر انتخابات کب منعقد ہونے چاہئیں مارشل لاء کابینہ کے قیام کے بعد انھوں نے واضح اعلان کیا کہ وہ حزبِ اختلاف کا کردار انجام دیں گے (پارلیمنٹ کی غیر موجودگی میں اس سے یہی مطلب لیا جا سکتا ہے کہ وہ موجودہ حکومت کی مخالفت عوامی سطح پر کریں گے)۔ ۱۳ر جولائی کو راولاکوٹ میں جلسۂ عام کے اعلان کا مطلب یہ ہے کہ وہ محدود محاذ آرائی سے اپنی نئی مہم کا آغاز کر رہے ہیں۔ نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب کے بعد اصغر خاں صاحب دوسرے آدمی ہیں جنھوں نے واضح الفاظ میں یہ کہا ہے کہ اگر عوام پی پی پی کو دوبارہ برسرِ اقتدار لے آئیں تو وہ اسے قبول کر لیں گے۔

جمعیت العلماء پاکستان کے ترجمان اور روحِ رواں مولانا شاہ احمد نورانی ہیں۔ یہ جماعت سیاسی کم اور مذہبی زیادہ ہے اور اس کے پیرو کار فقہِ حنفیہ کے ماننے والے ہیں اس لیے اس کا بنیادی مسئلہ اس کا اپنا نظامِ مصطفیٰ، جو وہابی عقائد کی حامل جماعتِ اسلامی کے نظامِ شریعت" سے مختلف ہے۔ پی این اے میں اس کی شمولیت کا واحد مقصد بھٹو حکومت کا خاتمہ تھا۔ اور مارشل لاء کے نفاذ کے بعد اس کے پی این اے میں شامل رہنے کا سرے سے کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ بہر حال مسلم لیگ نے مارشل لاء حکومت میں شامل ہو کر جمعیت کے قومی اتحاد سے علیحدہ ہونے کو اور زیادہ آسان بنا دیا۔ مولانا نورانی بھی فوری طور پر مارشل لاء انتظامیہ سے محاذ آرائی پر تیار نہیں۔ اس لئے وہ کہتے ہیں ان کی جماعت آخری جماعت ہوگی جو مارشل لاء کو ناکام ہوتے دیکھنا چاہے گی۔ لیکن ان کی مجلسِ شوریٰ نے کابینہ میں شامل نہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے وہ موجودہ حکومت کے اسلامی نظام کے قیام کے دعوؤں کو بھی درست نہیں سمجھتے کیونکہ نئے پانچ سالہ منصوبے کی بنیادی سودی نظام پر رکھی گئی ہے مارشل لاء کابینہ کے قیام کا ان کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ انتخابات طویل عرصے کے لیے ملتوی کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے موقف میں سب سے مثبت بات یہ ہے کہ اقتدار سے ملے نہ ملے وہ جلد از جلد انتخابات چاہتے ہیں وہ اس بات پر خوش نہیں ہیں کہ مسلم لیگی وزراء تو سیاسی تقریریں کرتے رہیں باقی تمام جماعتوں کی سرگرمیوں پر پابندی جاری رہے ان کے انتخابی اتحاد کے اعلان سے یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ بھٹو حکومت کے دور کی طرح ایک بار پھر تحریکِ استقلال اور جمعیت العلماء پاکستان اشتراکِ عمل کر سکیں۔

این ڈی پی نے ابھی تک کوئی واضح موقف اختیار نہیں کیا ہے اس کی وجوہات میں سب سے بڑی وجہ خاں عبد الولی خان کا رویہ ہے جو پارٹی کے سربراہ نہ ہوتے ہوئے بھی کلیدی حیثیت رکھتے ہیں ان کی بھٹو دشمنی اور مارشل لاء کی غیر مشروط حمایت اور احتساب کو اولیت دینے کے عمل نے نہ صرف ان کی ذاتی شہرت اور مقبولیت کو شدید نقصان پہنچایا بلکہ پارٹی کی ساکھ بھی متاثر ہوئی۔ موجودہ بحرانی صورتِ حال میں ان کا ملک سے باہر رہنا اور افغانستان میں حالات کی زبردست تبدیلی کے نتیجے میں ان کے آئندہ موقف کے بارے میں غیر یقینی صورتِ حال نے معاملات کو اور الجھا دیا ہے یہی نہیں بلکہ پارٹی کے باقاعدہ سربراہ سردار شیر باز مزاری بھی ملک سے باہر ہیں عابد زبیری جیسے لوگوں کے بیانات کو پارٹی کا موقف قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سردار مزاری نے لندن میں بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کابینہ کے قیام پر مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے اسے مسلم لیگ کے مردے میں جان ڈالنے کی کوشش قرار دیا انہوں نے یہ بھی کہا کہ مسلم لیگی اقتدار کے پجاری ہیں اور یہ کہ اب اتحاد کا برقرار رکھنا مشکل ہو گیا ہے

صورتِ حال کے اس اجمالی جائزے سے یہ باتیں سامنے آتی ہیں :-

- ایک سال اقتدار میں رہنے کے باوجود مارشل لاء حکومت سیاسی استحکام پیدا کرنے اور عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔
- مارشل لاء کابینہ کا قیام نہ تو اسے عوام کے قریب لے جا سکتا ہے نہ ہی اعتماد کی فضا پیدا کر سکتا ہے۔
- پیپلز پارٹی کے سیاسی اثر و رسوخ کو ختم نہیں کیا جا سکا نہ ہی اس کا فوری امکان نظر آتا ہے۔
- امکانات یہ ہیں کہ پیپلز پارٹی کے اثر کو ختم کئے بغیر انتخابات کرانے کا خطرہ مول نہیں لیا جائے گا۔
- موجودہ صورتِ حال میں قومی اتحاد ختم ہو چکا ہے، جماعت اسلامی اور جمعیت العلمائے اسلام سیاسی بھنور میں پھنس گئی ہیں۔
- مسلم لیگ کا وجود ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے ختم ہو گیا ہے۔
- تحریک استقلال، جمعیت العلمائے پاکستان اور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی حکومت سے عدمِ تعاون کے ذریعے اپنے قدم جمانے کی کوشش کر رہی ہیں۔
- پابندیوں میں جکڑے ہوئے پاکستانی عوام اپنے تشخص کی تلاش میں ہیں۔

بہاولپور کے تاجروں اور دکانداروں کی تین روزہ ہڑتال

محبوب علی رانا

بہاولپور شہر کے تاجروں اور دکانداروں نے محصول چونگی کے نئے شیڈول کے خلاف تین روز تک مکمل ہڑتال رکھی مجلسِ عمل تاجران نے ڈپٹی مارشل لا ایڈمنسٹریٹر میجر جنرل سید رحمت علی بخاری کی ہمدردانہ کارروائی کی یقین دہانی پر ہڑتال تین دن کے لیے ملتوی کردی ہے اس سال بلدیہ بہاولپور نے نئے چونگی شیڈول کے مطابق ۱۲ مئی کو چونگیوں کی نیلامی کی تھی چونگیوں کے سابق ٹھیکیدار چودھری عبدالمجید نے ۵۴ لاکھ ایک ہزار روپے کی اونچی بولی دیکر ٹھیکہ حاصل کر لیا تھا اس کے مطابق اندرونی حالات کی جو تصویر سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ چوہدری برکت اللہ آڑھتی بھی چونگیوں کی نیلامی میں شریک ہوا تھا لیکن چوہدری مجید ٹھیکیدار نے اسے تین لاکھ روپے کے "پول" پر بولی آگے بڑھانے سے دستبردار کردیا تھا۔ ٹھیکہ حاصل کر لینے کے بعد مجید ٹھیکیدار اپنی اس کاروباری زبان پر قائم نہ رہ سکا جس پر برکت اللہ آڑھتی نے ڈپٹی کمشنر بہاولپور سے ملاقات کر کے ٹھیکے کی منسوخی اور خود ٹھیکہ ۷۴ لاکھ روپے میں حاصل کرنے کی پیش کش کی۔ انتظامیہ نے برکت اللہ آڑھتی کو پانچ لاکھ روپیہ بطور ضمانت جمع کرانے کے لیے کہا کہ اگر نیلامی کم رہی تو یہ رقم ضبط کرلی جائے گی برکت اللہ چوہدری نے اگلے روز ڈھائی لاکھ روپے نقد اور ڈھائی لاکھ روپے کی بینک گارنٹی پیش کردی تھی لیکن انتظامیہ اس پر راضی نہ ہوئی بہاولپور کے تاجروں اور دکانداروں کی انجمنوں نے سول عدالت میں بھی مقدمہ لڑا۔ اس کے بعد مجبور ہو کر شہر کے تاجروں اور دکانداروں کی مختلف تنظیموں نے اپنی ایک مجلسِ عمل بنائی اور چوہدری برکت کو اس تنظیم کا صدر چن لیا گیا۔ اس دوران انتظامیہ نے یہ موقف اختیار کر لیا کہ اگر ٹھیکہ برکت اللہ کو مل جاتا تو نئے شیڈول ریٹس درست تھے۔ لیکن اب ناکامی کی صورت میں یہ دکانداروں کو اتحاد؛ رہا ہے جبکہ چودھری برکت اللہ انتظامیہ کے اس موقف کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔

پاکستان عوامی جمہوری پارٹی کے مرکزی سیکریٹری جناب موسیٰ سعید نے اپنے ایک اخباری بیان میں ہڑتالی دکانداروں کے مطالبات کی پرجوش حمایت کی ہے انہوں نے کہا کہ بلدیہ بہاولپور نے نیا شیڈول محصول چونگی اور دستی ریڑھی سائیکل رکشہ ٹانگہ وغیرہ کی لائسنس فیس میں نارو ا اضافہ کر کے بہاولپور کے محنت کش اور سفید پوش خاندانوں کی مشکلات میں اضافہ کردیا ہے مسٹر موسیٰ سعید نے انتظامیہ سے اپیل کی ہے کہ وہ اس مسئلے کو اپنی عزت و وقار کا مسئلہ نہ بنائے اور چوہدری برکت کی ۷۴ لاکھ روپے ٹھیکہ محصول چنگی کی پیشکش کو قبول کر لیا جائے اور نئے شیڈول کو منسوخ کردیا جائے۔ مسٹر موسیٰ سعید نے یہ بھی کہا ہے کہ انتظامیہ کو مجلسِ عمل کے صدر کے ذاتی کاروباری کردار اور دکانداروں کے انتہائی جائز مطالبات کو گڈمڈ نہیں کرنا چاہیے۔

دراصل بلدیہ بہاولپور نے پاکستان میں اپنے خالصاً (اسلامی) قومی بجٹ کی تقلید پر عمل کرتے ہوئے بلدیہ کا تمام اضافی بوجھ صارفین، چھوٹے دوکاندار، سائیکل رکشہ تانگے، ریڑھے والے پر لاد دیا ہے۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

	سابقہ فیس	نئی فیس	اضافہ
۱۔ سائیکل رکشہ	۵۰/- روپے	۷۰/- روپے	۲۰/- روپے
۲۔ تانگہ	۶۰/- "	۱۰۰/- "	۴۰/- "
۳۔ دستی ریڑھی	۵۰/- "	۱۰۰/-	۴۰/- "
۴۔ گدھا گاڑی	۵۰/- "	۷۰/-	۲۰/- "

اسی طرح محصول چونگی کے نئے شیڈول کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے

	سابقہ محصول چنگی	موجودہ محصول چنگی	
۱ گندم	۱ پیسہ فی کلو	۲ پیسہ فی کلو	۱۰۰ فیصد اضافہ
۲۔ کپڑا	۷½ روپے من	۱۱ روپے من	۸۰ فیصد اضافہ
۳۔ لکڑی کا ٹرک	۲۳ روپے من	۸۰ تا ۹۰ روپے	

بہاولپور کے تاجروں کی ہڑتال کے پس منظر میں دیکھا جائے تو کچھ اور بھی عوامل ملتے ہیں وہ یہ ہیں کہ انتظامیہ نے مہنگائی کو کنٹرول کرنے کے لیے جو بھی وسیع تر اقدامات کیے ہیں۔ ان کی زد میں چھوٹے دکاندار ہی آگئے۔ جس کی وجہ سے عام دکانداروں میں پہلے سے بے چینی پائی جاتی ہے محصول چونگی میں اضافے نے جلتی پر تیل کا کام کیا جس سے بہاولپور شہر اقتصادی بحران کی شدید لپیٹ میں آگیا تمام دکانیں احتجاجاً بند رہیں ہڑتال اس زور کی تھی کہ بہاولپور کی تاریخ میں ایسی ہڑتال نہیں دیکھی گئی۔ سرمایہ دارانہ نظام کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ پیداواری عمل عوام کریں اور منافع چند ہاتھوں تک محدود رہے اور انتظامیہ کے تمام اخراجات بھی عوام پر ہی ڈال دیئے جاتے ہیں۔ بہاولپور کی یہ تاریخی ہڑتال پورے ملک کی موجودہ سیاسی صورتحال کی عکاسی کرتی ہے۔ عام آدمی گھی پٹرول سیمنٹ بجلی کے نرخوں میں اضافے پر خاموش احتجاج نظر آتا ہے۔

اقلیتی فرقے کی خاتون رہنما انی اسٹیلا بیدی نے مطالبہ کیا کہ پاکستان میں ایک کروڑ سے زائد اقلیتی آبادی ہے اب جبکہ حکومت نے اقلیتوں کے مطالبے کے بغیر جداگانہ انتخابات کے اصول پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس کے مطابق عنقریب انتخابی فہرستیں اور علیحدہ حلقہ ہائے انتخاب کی تیاری کا کام شروع ہونے والا ہے تو اقلیتی فرقے کے کسانوں کے لیے چولستانی اراضی کا پندرہ فیصد سرکاری ملازمتوں میں پندرہ فیصد اور دیگر زندگی کے سرکاری سرپرستی میں تشکیل پانے والے شعبوں میں بھی اقلیتوں کو ان کی آبادی کے مطابق حقوق دیئے جائیں انہوں نے الیکشن سیل کے ممبر ریٹائرڈ راؤ فرمان علی کے ماہ اپریل کے اردو ڈائجسٹ میں چھپنے والے مضمون میں اقلیتوں کے بارے میں ریمارکس پر سخت رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان میں رہنے والی اقلیتیں راؤ فرمان علی سے کہیں زیادہ محب وطن ہیں انہوں نے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے اپیل کی ہے کہ وہ اس بات کا سختی سے نوٹس لیں۔

WEEKLY PERBHAAT

پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے لیے

پُرمسرّت

وقت آنیوالا ہے

ڈاکٹر غلام حسین سیکرٹری جنرل پیپلز پارٹی